ماہنامہ المرشد

اپریل 2017ء

رجب المرجب 1438ھ

اللہ
رسول
محمد

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ يَقُولُ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ قَالَ أَنْ تَمُوتَ وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، رقم الحدیث: 513)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: اللہ بزرگ و برتر کے ہاں اعمال میں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کون سا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو اس حال میں اس دنیا سے جائے کہ تیری زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو۔

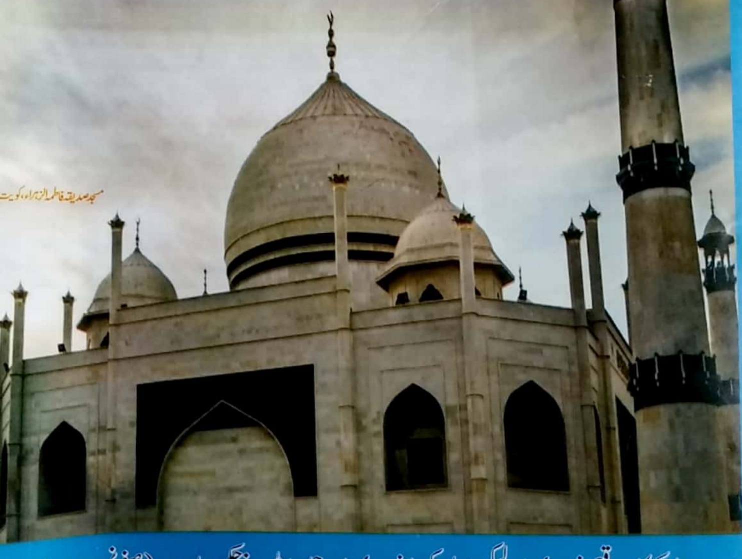

مسجد صدیقہ فاطمۃ الزہراء، کویت

دنیا کے کام واقعی ضروری ہیں لیکن ایسے کرنا ضروری ہیں جیسے اللہ نے حکم دیا ہے۔ (صفحہ نمبر: 14)

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

تصوف

تصوّف کیا ہے؟

زندگی نعمتوں کا مجموعہ ہے۔ ہر لمحے میں اَن گنت نعمتوں سے مستفیض ہوتے ہیں جن کا شعور بھی نصیب نہیں۔ البتہ یہ لاعلمی ان نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنے کا جواز نہیں بن سکتی۔کل روزِ محشر یہ عذر قبول نہ ہوگا۔ اس شکر کا معاملہ تو رب کریم نے بہت ہی آسان عطا کرتے ہوئے حل فرما دیا۔ پہلے تو یہ بتا دیا کہ تم چاہو بھی تو اللہ کی نعمتیں شمار نہیں کر سکتے، لہٰذا انسان کیسے اُن کا کماحقہٗ شکر ادا کر سکتا ہے جب اُن کے شمار سے ہی قاصر ہے۔ پھر فرمایا ایک طریقہ ہے''فَاذْكُرُوْنِيْ'' تم میرا ذکر کرتے رہو اور فرمایا''وَاشْكُرُوْا لِيْ'' میرا شکر کرو یعنی ذکر کرنا ہی درحقیقت سب سے اعلیٰ ترین درجہ شکر ہے کہ منعم حقیقی کو ہر لمحہ یاد کیا جائے۔نعمتوں کے شمار، اُن نعمتوں کی اہمیت کا شعور، اُن نعمتوں کے فوائد گننے میں تو زندگی گزر جائے گی اور یہ فہرست ختم نہ ہوگی تو عقلمندی اسی میں ہے کہ نعمتوں کے خالق، نعمتوں کے مالک اور عطا کرنے والی ہستی کو دل کی دھڑکن میں بسالو۔ اس ذکر سے فائدہ کیا ہوگا؟ اَذْكُرْكُمْ وہ منعم حقیقی تم جیسے مُشت غبار کو اپنی عطا سے یاد فرمائے گا۔ تم تو شاید وہ مانگ بھی نہ سکو، وہ نعمت سوچ بھی نہ سکو لیکن وہ تمہیں یاد کرتے ہوئے اپنی شان کے مطابق نوازے گا۔ تم اپنی ہمت و حوصلے کے مطابق مانگو گے لیکن وہ تمہیں اپنا قرب عطا کر دے گا۔ یہی ذکر حقیقت میں شکر ہے۔ شکر کرنے کے لیے انسانی وجود میں جو آلہ نصب کیا گیا ہے وہ قلب ہے۔ قلب کی صحت و حیات کا مدار ایمان کے بعد ذکر اللہ پر ہے۔ تصوف اسی آلہ شکر کی جلا کا نام ہے کہ طبیبِ حیات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلبِ اطہر سے جاری اور ساری برکات کو اللہ والوں کے ذریعے اپنے قلب میں وصول کیا جائے اور قلب کو فعال بنایا جائے۔۔ ان برکات کے وصول سے قلب منور ہو کر تمام ذرّاتِ بدن کو بھی ذاکر بنا کر منور کر دیتا ہے۔ ایسا بندہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرتا ہے اور عملی طور پر شکر ادا کرتا ہے۔ کردار کی یہ اصلاح ہی تصوف کا حاصل ہے۔

ماہنامہ
المرشد

اپریل 2017ء، رجب المرجب 1438ھ

جلد نمبر: 38

شمارہ نمبر: 08

مدیر اعلیٰ: صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

مدیر: محمد اجمل

نائب مدیر: محمد ادریس خان

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

انچارج ترسیل و حسابات: چوہدری محمد اسلم

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش |1200 روپے

مشرق وسطیٰ کے ممالک 100 ریال

برطانیہ یورپ |35 اسٹرلنگ پاؤنڈ

امریکہ |60 امریکن ڈالر

فار ایسٹ اور کینیڈا |60 امریکی ڈالر

سرکولیشن رابطہ آفس

ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی روڈ،
ٹاؤن شپ، لاہور

Ph: 042-35180381, Cell: 0303-4409395,
Email: monthlyalmurshed@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست اعلیٰ: الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقۂ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
دعویٰ ایمان اور ہمارا کردار	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	18
اکرم التفاسیر، سورۃ ص، 27 تا 40	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	23
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	30
عورت کو انسانیت کا درجہ اسلام نے دیا	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	41
خواتین کا صفحہ		43
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	45
مسائی جمیلہ	الاخوات، لاہور	48
طب، امراض معدہ	حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا	50
Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	54
Tassawuf	Maulana Allah Yar Khan(RAU)	57

ناشر: عبدالقدیر اعوان | انتخاب جدید پریس، لاہور 042-36309053

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال

ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org

Ph:054-3562200, Fax: 054-3562198 Email:daruirfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل تفسیر

قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔۔۔ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ (سورۃ البقرہ:89)

کہ جب اللہ کی وہ کتاب ان کے پاس پہنچی جو ان کی کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے کہ جملہ آسمانی کتابوں میں توحید، رسالت، آخرت اور عباداتِ الٰہی وغیرہ ہی تو ہیں جو قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور یہ بھی کہ ان کی کتاب یا پہلی سب کتابوں میں آپ ﷺ کی بعثت اور نزولِ قرآن کی بشارت ہے تو یہ بعثت اور نزول اس کی تصدیق کا سبب بن گئی کہ واقعی ایسا ہوا جس کی خبر کتاب میں پہلے موجود تھی۔ اور یہ لوگ تو کافروں کے مقابلے پر جنگ میں فتح انہی کے وسیلے سے مانگتے تھے یعنی آنے والے نبی اور کتاب کی عظمت سے اس قدر آشنا تھے کہ اللہ کو ان کا واسطہ دے کر کفار پر فتح طلب کرتے تھے اور پاتے تھے اور میدانِ مناظرہ میں بھی ان کو دلائل سے عاجز کرتے تھے کہ ہم صاحب کتاب ہیں اگرچہ انبیاء کا زمانہ دُور ہوا اور برکات اُٹھ گئیں مگر اب نبی آخرالزماںؑ کا وقت ظہور قریب ہے۔ ہم آپ ﷺ کے ساتھ مل کر تمہیں خوب سزا دیں گے۔

مگر ہوا کیا؟ جب وہ ہستی، وہ کتاب آ پہنچی، وہی شے جس کو یہ خوب جانتے تھے، تو اُس کا انکار کر دیا۔ سو لعنت ہے اللہ کی کافروں پر یعنی وہ عذاب الٰہی کا شکار ہیں۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ۔۔۔ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩٠﴾ (سورۃ البقرہ:90)

بہت بُرا سودا کیا ہے ان کے نفوس نے کہ محض حسد اور بغض، دُنیا کا جھوٹا وقار قائم رکھنے کو اللہ کی نازل کردہ نعمتوں یعنی نبوّت اور کتاب کا انکار کر بیٹھے۔

یہ نبوّت کو بھی اپنی پسند کے تابع رکھنا چاہتے تھے کہ اگر بنی اسرائیل سے نبی ہوتا تو مان لیتے۔ بنی اسرائیل سے باہر نبوّت کیسے ہو سکتی ہے؟ فرمایا کیوں نہیں ہو سکتی، اللہ اپنی عطا میں کسی کا پابند نہیں ہے، جس پر چاہے اور جو چاہے کرم کر دے۔ اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔ مِنْ عِبَادِهٖ ۔۔۔ یعنی اس کے مقبول بندے بھی سب ایک درجہ کے نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے بعض کو خصوصی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ یہی یہودیانہ روش اب تک جاری ہے کہ کسی بزرگ کے خاندان سے ہونا ضروری ہے خواہ خود بدکار ہی ہو، پیر مانا جائے گا اور اگر ایسا نہیں تو کس قدر نیک اور صاحب دل بھی ہو، اکثر لوگ محروم رہیں گے۔ انہوں نے نبوّت کو میراث جانا، یہ ولایت کو میراث جانتے ہیں، لہٰذا ایسا کرنے سے یہ لوگ دوہرے عذاب کا شکار ہوئے کہ ایک تو اللہ کے نبی کا انکار کیا، دُوسرے عطائے باری پہ اعتراض ہے۔ تمہیں اپنی اس جرأتِ بے جا کا پتہ چلے گا کہ کافروں کے لیے عذاب بھی ہے اور ذلت بھی۔ یعنی انہیں عذاب میں تکلیف کے علاوہ تذلیل کا سامنا بھی کرنا ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر مومن گرفتارِ بلا ہُوا تو محض گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ہوگا۔ اس کی عزت قائم رکھی جائے گی، معاملہ رب اور اُس کے بندے کے درمیان ہوگا، لوگوں میں ذلیل نہ کیا جائے گا۔

اداریہ

"23 مارچ"۔۔۔ہم کہاں کھڑے ہیں

انسانوں کے مزاج میں یکسانیت نہیں پائی جاتی اور نہ کسی انسان کا مزاج ہمہ وقت ایک سا رہتا ہے۔خواہشات، واقعات اور حادثات وغیرہ اس میں تغیر کا سبب بنتے ہیں مگر تفکر کی کیفیت انسان کو مزاج سے بالاتر ہو کر یکساں کیفیت پر جمع کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔اور یہ فکر کتنی اعلیٰ یا ادنیٰ ہے اس کا معیار ضروریات، حالات اور اخلاقیات وغیرہ پر طے ہوتا ہے اور اسی طرز پر فرد، افراد یا اقوام کی صورت اختیار کرتے آئے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ ایک قوم کی سوچ دوسری قوم کے لیے بھی نفع بخش ہو، تا آنکہ کوئی آفاقی سوچ تمام انسانیت کو یکساں ترازو پہ تولنے کا سبب ہو اور یہ یقیناً انسانی دسترس سے باہر ہے۔یہی سبب ہے کہ قرآن کریم تفکر کی دعوت دیتا ہے کہ جب انسان اپنی سوچ کی آخری حد کو پہنچے گا تو خوب سمجھے گا کہ کوئی ہستی ہے جو نظامِ حیات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔

23 مارچ 1940ء کو ہمارے اجداد کا منٹو پارک میں جمع ہونا اور دو قومی نظریہ کی بنیاد رکھنا عمومی نہیں بلکہ آفاقی سوچ کی نشانی تھی اور تہی دامن اجماع نے قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں وہ بنیاد رکھی کہ جسے آج ہم قرار دادِ مقاصد کی صورت میں اپنے سینوں پہ سجائے ہوئے ہیں۔ان کی قربانیاں آج مادرِ وطن پاکستان کی صورت میں ہمارا فخر ہیں اور اب اس کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔یہ وطن فقط کسی سیاسی لیڈر، جماعت یا ادارے کا ہی نہیں بلکہ اس کا ہر باسی پاکستان کی ایک اکائی ہے۔سبز ہلالی پرچم کا سفید حصہ تمام اقلیتوں کو باعزت اپنی آغوش میں لیتا ہے اور بے شک یہی اسلام کا درس ہے۔

اے محترم اہلِ وطن! آج کے وقت کی نزاکت واشگاف الفاظ میں ہمیں یہ باور کرا رہی ہے کہ ہمارا محض ذاتی مفادات کی فکر کرنا نقصان کا سبب بن رہا ہے۔چونکہ فقط مفادات کی سوچ کا نتیجہ حقوق کا مانگنا ہے اور اسلام وہ آفاقی سوچ ہے جو فرائض کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے اور فرائض کی ادائیگی کے بغیر کسی کو بھی حقوق میسر نہیں آئیں گے۔آؤ کہ یہ 23 مارچ اس عہد کے ساتھ منائیں کہ آئندہ ہم میں سے ہر کوئی اپنے حصے کے فرائض ادا کرے گا تا کہ ہمارا کردار نہ صرف وطن عزیز بلکہ تمام مسلم امۃ میں محبت اور باقی اقوام سے بہتر اور متوازن تعلق کا سبب بنے۔

اربابِ اقتدار و اختیار سے عرض ہے کہ خدارا ذات سے نکل کر سوچیں، جتنی بار حکومتیں بدلتی ہیں اتنی ہی بار ملکی پالیسیاں تبدیل ہوتی ہیں۔کیا ہم اس قابل بھی نہیں کہ ایسی پالیسی تشکیل دے سکیں جو حکومتوں کے بدلنے سے متاثر نہ ہو۔فارن کی اسناد کی بات تو ہوتی ہے لیکن کیا ہم اس قابل نہیں کہ قوم کو یکساں نظامِ تعلیم دے سکیں۔عمومی مقدمات تو اعلیٰ عدلیہ تک چلے جاتے ہیں لیکن کیا ہم اس قابل نہیں کہ نظامِ عدل کو ایسا مرتب کر سکیں کہ عام آدمی کو بلا تاخیر و تمیز انصاف میسر آسکے۔ان تمام خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود کہیں نہاں خانہ دل میں ہمارے اندر قومی حمیت کی کوئی کرن موجود ہے جو مشکل حالات میں ہمیں متحد کر دیتی ہے۔اللہ کریم ہمیں اپنے حصے کا مثبت کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔ ذات باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

طریقہ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ O اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ O اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ O اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O پھر ذکر شروع کر دیں طریقہ نیچے درج ہے۔

پہلا لطیفہ: بکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے، چوتھے اور پانچویں لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

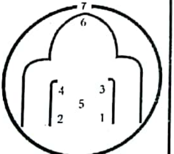

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔ ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ قلزم فیوضات حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمۂ مَن وخاتمۂ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی بخیر گردان

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیماب اور فقیرؔ۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

- گردِ سفر
- متاعِ فقیر
- آس جزیرہ
- کون سی ایسی بات ہوئی ہے
- دل دروازہ
- نشانِ منزل
- سوچ سمندر
- دیدۂ تر

غزل

چاند کا ملنا اگر موقوف ہوگا رات پر
اپنے دن، راتوں پہ ہم قربان کرتے جائیں گے

عمر ساری کاٹ دی راہوں پہ مانند گدا
وہ کبھی گزریں گے تو احسان کرتے جائیں گے

دل کی بستی کو بسایا ہے عجب اُمید پر
اک نظر ڈالیں گے وہ ویران کرتے جائیں گے

ہم نے دردِ عشق پایا زندگی کو ہار کر
اس کو ہم بزمِ جہاں میں دان کرتے جائیں گے

شمع جل اُٹھے تو پروانوں کو آکر دیکھنا
موت کا اپنی وہ خود سامان کرتے جائیں گے

خون بہہ کر بھی لکھے گا نام تیرا خاک پر
اپنے ہی قاتل کو ہم حیران کرتے جائیں گے

اک نظر سیماب جی ہو جائے اپنے حال پر
عمر بھر ہم اس عطا پر مان کرتے جائیں گے

(دیدۂ تر سے انتخاب)

اقوالِ شیخ

1۔ اسلام تفرقوں، فرقہ بندیوں اور غیروں کی غلامی کو چھوڑ کر ایک اللہ کی غلامی پہ جمع ہونے کا نام ہے۔

(المرشد، اکتوبر 2016، صفحہ:33)

2۔ جتنا تم حضور ﷺ کی اتباع میں ڈوب جاؤ گے اُتنا ہی اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔

(المرشد، اکتوبر 2016، صفحہ:30)

3۔ نبوت قائم ہے، آپ ﷺ کی برکات بھی قائم ہیں اور جب تک یہ برکات تقسیم ہوتی رہیں گی، دنیا قائم رہے گی۔

(اکرم التفاسیر، جلد:3، صفحہ:28)

4۔ ہر وہ مسلمان جو ایثار وعمل میں کوئی سستی قریب نہ آنے دے ایک درجہ میں شہید بھی ہے اور صدیق بھی اور ہر ایک کا درجہ اپنے خلوص اور اللہ کی عطا سے الگ ہے۔

(اسرار التنزیل، جلد:6، صفحہ:203)

5۔ ذکر کی توفیق کامل جانا ہی بہت بڑی عطا ہے۔

(طریق نسبت اویسیہ، صفحہ:130)

6۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں سلامتی کی خبر یہ سب سے بڑا کام ہے۔

(پمفلٹ درود وسلام، صفحہ:15)

7۔ اس ملک کا نقشہ گھٹے گا نہیں بڑھے گا، یہ سعادت کن کو نصیب ہو گی کون جانے۔

(پمفلٹ درود وسلام، صفحہ:14)

8۔ ہر آدمی اپنی حیثیت کو اس طرح تو جانچ سکتا ہے کہ عملاً میں کس حد تک نیکی کی طرف بڑھ سکا ہوں۔

(ارشاد السالکین، صفحہ:48)

9۔ ہر گناہ بیماری ہے جو روح کو لگ جاتی ہے تو یہ اس کا علاج ہے اور اتباعِ رسالت ﷺ اور اتباع سنت اس کی دوا ہے۔

(پمفلٹ عظمت اور معرفتِ الٰہی، صفحہ:10)

10۔ ذاتی نام اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جائے تو وہ کیفیات در آئیں گی کہ بندہ جس ذات کو دیکھ نہیں سکتا اسے سمجھ رہا ہو گا۔

(نقوش، صفحہ:353)

بیان، 5 فروری 2017

مقصدِ حیات

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ط وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہ

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ط ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾ (سورۃ الانشراح: 5-8)

کائناتِ بسیط کا سارا نظام اللہ کریم نے اسباب پر متعین فرمایا ہے۔ ہر چیز کے پیچھے کوئی سبب کارفرما ہے، ہر کام اس سبب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ فطرت کا قانون ہے، اور یہ ایسا قانون ہے جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ باقی قوانین میں، گاہے گاہے، اظہارِ قدرت کے لیے تبدیلی ہوتی رہتی ہے مثلاً قانونِ فطرت ہے کہ آدم علیہ السلام کے بعد اور اماں حوّا کی تخلیق کے بعد پھر ساری اولادِ آدم، مرد اور عورت سے پیدا ہوئی۔ یہ قانونِ فطرت ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا۔ یہاں اظہارِ قدرت ہے کہ اللہ قانون کا محتاج نہیں ہے بلکہ قانون بنانے والا ہے، اور کوئی ایسا نہیں کر سکتا، لیکن یہ قانون کہ بغیر سبب کے پیدا فرمائے یہ نہیں توڑا گیا۔ جبرائیل امین علیہ السلام کو حکم ہوا، وہ حاضر ہوئے، انہوں نے حضرت مریمؑ کو دَم فرمایا۔ دَم کو ایک سبب بنایا گیا۔ یہ سبب والا قانون کیوں نہیں بدلتا؟ قدرت قوانین کی پابند تو نہیں ہے، مخلوق قوانین کی پابند ہے۔ مخلوق قوانین نہیں توڑ سکتی۔ خالق اس سے بے نیاز ہے، وہ قوانین کا محتاج نہیں ہے۔ وہ چاہے تو سورج نہ ہو اور روشنی ہو اور وہ چاہے تو سورج ہو اور اندھیرا ہو۔ وہ کر سکتا ہے، مخلوق ایسا نہیں کر سکتی۔

لیکن یہ قانون ایسا ہے، اسے اللہ کریم خود بھی نہیں توڑتے۔ یہ بڑا گہرا سوال ہے کہ اسباب کیوں اتنے ضروری ہیں؟ شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ متقدمین کی مثال ہوئے ہیں، مفسر بھی، محدث بھی، فقیہہ بھی اور عہدِ حاضر کے آئمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں میں نے اس سوال پہ بڑا غور کیا کہ کیوں ہر چیز اسباب کے نتیجے میں ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تو اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ فرماتے ہیں، میری سمجھ میں بالآخر یہ بات آئی کہ اگر اسباب کا پردہ نہ ہو اور ذاتِ باری کی تجلیات سامنے ہوں تو پھر کوئی چیز باقی نہ رہے۔ مخلوق اس عالم میں تجلیاتِ باری کو برداشت کرنے کی سکت ہی نہیں رکھتی۔ کتنے عظیم پیمبر، اولوالعزم رسول تھے موسیٰ علیہ السلام جنہیں براہِ راست شرفِ ہمکلامی نصیب تھا۔ انہوں نے عرض کی، بارِ الٰہا! دل میں تڑپ ہے کہ میں آپ کا جمال دیکھوں۔ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ط (سورۃ الاعراف: 143) اے اللہ، مجھے اپنا جمال دکھا، میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: لَنْ تَرٰىنِيْ ---اس عالم میں، اس دنیا میں، اس مادّی دنیا میں، ان مادّی اسباب کے ساتھ آپ نہیں دیکھ سکتے۔ ہاں! تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو ذرا سی کوئی تجلی، ذرا سا پردہ ہٹایا جائے گا: اُنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ ---اس پہاڑ کو دیکھتے رہیے اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ج (سورۃ الاعراف: 143) اگر اس پہاڑ نے ذرا سی تجلی برداشت کر لی تو پھر شاید آپ بھی دیکھ لیں گے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا (سورۃ الاعراف: 143) تو ذرا سی تجلی کا اظہار ہوا بہت بڑے پہاڑ پر اور پہاڑ جَعَلَهٗ دَكًّا ---ریزہ ریزہ ہو کر، ڈھیر ہو گیا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ج --- اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر گئے

حالانکہ تجلی دور وادی کے اُس پار پہاڑ پر ہوئی تھی، وہ اِس پار تھے فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ (سورۃ الاعراف:143) ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ توبہ کرتا ہوں۔

مولانا رائے پوریؒ فرماتے ہیں: اسباب جو ہیں یہ تجلیاتِ باری کا حجاب ہیں پردہ ہیں اگر یہ ہٹائے جائیں تو مخلوق تو ختم ہوجائے گی پھر رہے گا کون؟ اس لیے یہ قانون نہیں تبدیل ہوتا۔

ان آیاتِ مبارکہ میں ایک قانون ارشاد ہوا ہے۔ یہ آیات ان آیاتِ مبارکہ میں سے ہیں جو ابتدائی عہدِ نبوت میں نازل ہوئیں، مکہ مکرمہ میں جن کا نزول ہوا، پہلی پہلی آیات ہیں وحی کی اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۞--- نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اعلانِ نبوت فرمایا تو عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے پردہ فرمائے تقریباً پانچ سو سال گزر چکے تھے۔ اس پانچ سو سالہ عہد کو عہدِ فترت کہا جاتا ہے جس میں کوئی نیا نبی معبوث نہیں ہوا تھا اور دین عیسوی بدلتے بدلتے مشرکانہ رسوم کا مجموعہ بن گیا تھا۔ ماننا ایک اور بات ہے۔ جاننا ہر کوئی ہے۔ آج کتنی دنیائے کفر ہے، کتنی مخلوق اللہ کو ماننے سے محروم ہے لیکن جانتے سب ہیں۔ سب اللہ کا نام سنتے ہیں، اذانیں ہوتی ہیں، ریڈیو، ٹیلیویژن پر اذانیں نشر کرتے ہیں۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر بیان، جلسے، تقریریں، تحریریں، کتابیں، تفسیریں، قرآن کے معانی اور تراجم، بے شمار لٹریچر، زبانی، بیانی، تحریری، تقریری سنتا ہر کوئی ہے لیکن اللہ کو کوئی مانتا ہے کوئی نہیں مانتا۔ جب بعثتِ عالی ہوئی، ماننا تو بعد کی بات ہے کوئی اللہ کا نام لینے والا ہی نہیں تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا، اللہ بھی ہے۔ تو پھر ایک ہستی کو روئے زمین کی ساری انسانیت کی مخالفت برداشت کرنا پڑی، ذہنی طور پر، قلبی طور پر، مزاج کے طور پر، پھر مادی طور پر، جسمانی طور پر، پھر زبانی طور پر، کتنا بوجھ تھا! روئے زمین کا ہر فرد مخالف ہوجائے، بات بھی مخالف کرے، سوچ بھی برخلاف، جو قریب ہو وہ اذیت بھی دے، جسمانی تکلیف بھی دے، دکھ بھی دے، طعنے بھی دے، بات بات پر پتھر بھی مارے، رکاوٹیں بھی کھڑی کرے، پر حضور نبی کریم ﷺ کی ساری فریاد تو اللہ کریم سے تھی۔ آپ ﷺ کے ساتھ تو اللہ کریم تھے۔ اللہ کریم نے فرمایا، اے میرے حبیب ﷺ! میرا قانون ہے: اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۞--- یقیناً کامیابی محنت اور مشقت کے ساتھ ہے دکھ اور تکلیف اور مجاہدے کے ساتھ آرام اور سہولت وابستہ ہے۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۞--- یقیناً محنت اور مشقت کو نتیجے کے طور پر کامیابی کے ساتھ میں نے وابستہ کردیا ہے۔ یہ فرمایا جارہا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کو جن کا کائنات میں کوئی مثل اللہ نے پیدا نہیں فرمایا۔ سب سے اعلیٰ مخلوق اللہ کی انبیاءؑ ہیں۔ اللہ کے قریب تر، ان سب کے بھی امام وپیشوا اور ساری کائنات کے لئے وجہِ رحمت، باعثِ رحمت، وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۞ (الانبیاء:107) تخلیقی طور پر ہی رحمتِ الٰہی، لیکن فرمایا میرے حبیب ﷺ! محنت تو کرنا پڑے گی، ایذاء بھی برداشت کرنا پڑے گی، طعنے بھی سننا پڑیں گے، فاقے بھگتنا ہوں گے، مشقت اٹھانا ہوگی اور کامیابیاں آپ ﷺ کے قدم چومیں گی۔

یہ میں ان حضرات کے لیے عرض کررہا ہوں جن کے خطرات کی ای میلں میں بھی تھے کہ میرے ذکر کے لیے آپ دعا کریں ذکر نہیں ہورہا، مراقبات کے لیے فرصت نہیں مل رہی، آپ دعا کریں۔ میں اور آپ اللہ کو نبی کریم ﷺ سے زیادہ عزیز ہیں؟ انہیں تو فرمایا جارہا ہے میرے حبیب ﷺ! آپ محنت کریں۔ کبھی کسی نے لکھا ہے میرے کھانے کے لیے دعا کریں، میرے ناشتے کے لیے دعا کریں۔ روز کپڑے بدلنے پڑتے ہیں میرے لیے دعا کریں میں آرام سے بدل لیا کروں۔ سارے کام تو بغیر دعا کے ہوجاتے ہیں۔ اللہ کا نام لینے کے لیے کوئی دعا کرے؟ اس کا مطلب ہے کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ جو کام نہ کرنا چاہتا ہو، جہاں نفس آڑے آتا ہو مشکل لگتا ہو وہاں دعائیں یاد آجاتی ہیں۔

دعا کیا ہے؟ دعا کا انحصار بھی محنت پر ہے۔ محنت کریں، صحیح طریقے سے کریں، سنت کے مطابق کریں، اللہ کے قاعدے کے مطابق کریں اور پھر دعا کریں کہ یا اللہ! میری محنت کو بارآور کر۔ بارِالٰہا! میرے بس میں تُو نے محنت کرنا لکھا وہ میں کررہا ہوں اس پہ نتائج مرتب کرنا، یہ تیرے کرم کا کام ہے۔ میں ہل چلا سکتا ہوں، میں بیج ڈال سکتا ہوں، یہ توفیق تُو نے مجھے دی ہے، میں کھیتی کی چوکیداری کرسکتا ہوں لیکن یہ فصل

اگانا، اس پہ پھل لگانا، یہ تیرے کرم کی بات ہے۔ یااللہ! میری اس ٹوٹی پھوٹی محنت کو قبول فرما۔ یہ دعا تو درست ہے لیکن یہ کہا جائے کہ مجھ سے تو ہل بھی نہیں جوتا جاتا، بیج بھی نہیں ڈال سکتا، آپ دعا کریں جی میری فصل اچھی ہو جائے تو یہ مذاق نہیں ہے شیخ کے ساتھ بھی، اپنے آپ کے ساتھ بھی اور کیا گستاخی نہیں ہے بارگاہِ الوہیت میں بھی کہ اللہ اگر تُو اپنا ذکر کرانا چاہتا ہے تو خود کرا، مجھ سے تو نہیں ہوتا۔

تو قانون یہ ہے: اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ﴿۶﴾۔۔۔ حضرتؒ نے سولہ برس لطائف کئے ہیں مراقبات سے پہلے اور سولہ برس شیخ کی خدمت میں رہ کر کیے ہیں۔ سال میں ایک دفعہ گھر آتے تھے، دو دفعہ ربیع اور خریف کی فصلوں پر زمین مزارعین کو کاشت پر دے کر غلہ تقسیم کرایا، خرچہ گھر والوں کو دیا، اپنے لیے خرچ لے کر چلے جاتے تھے اور میں نے بڑی تصدیق سے پوچھا تھا کہ حضرت لطائف کتنی دیر کرتے تھے؟ فرمایا تہجد سے شروع کرتے تھے، فجر پڑھ کے تھوڑی دیر آرام کیا تو پھر اشراق پڑھ کر چاشت تک کرتے تھے اور پھر دوپہر جب ڈھلتی تھی تو پھر نوافل ادا کر کے ظہر تک کھانا کھا کے آرام کرتے، پھر عصر تک، پھر عصر سے مغرب تک۔ پھر ہوا تو مغرب سے عشاء اور پھر سونے تک مسلسل لطائف کیا کرتے تھے، اور اس پہ سولہ برس لگے۔ میں نے بھی برسوں کے حساب سے لطائف کیے ہیں الحمدللہ! جب ہم لطائف کرتے تھے تو ہمارے بستے میں اسپغول اور پھٹکری اور گڑ تین چیزیں ہوتی تھیں۔ دسمبر کی راتوں میں ہم گڑ کے شربت کے ساتھ اسپغول کھایا کرتے تھے، معدے سے خون آنا شروع ہو جاتا تھا اور منہ اندر سے پھٹ جاتا تھا تو پھٹکری پانی میں حل کر کے اس کے غرارے کیا کرتے تھے۔ جب ہم لطائف کرتے تھے تو زمین سے جھک کر چیز اٹھانا ممکن نہیں ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ سینے میں سلاخیں لگی ہوئی ہیں۔ آج کل کوئی ذرا دیر لطائف کر بیٹھے اسے تھوڑا سا درد محسوس ہو تو پھر چٹھیاں بھی آتی ہیں ای میل بھی آتی ہیں، ڈاکٹر کے پاس بھی دوڑا جاتا ہے۔ ہم نے تو کبھی کسی ڈاکٹر طبیب کو نہیں بتایا تھا۔ ہمیں تو فخر ہوتا تھا الحمدللہ! کچھ تو ہو رہا ہے لیکن ہر لطیفے پر ایسا لگتا تھا کہ میخ آر پار گڑی ہوئی ہے تب جا کر کہیں اس پر ثمرات لگتے ہیں۔ مجھے بڑی اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اپنی گھڑی سے منٹوں کی سوئی نکال دی تھی کہ یہ تنگ کرتی ہے اتنے منٹ ہو گئے۔ گھنٹوں کا حساب کریں گے۔ سوئی ہی سرے سے نکال دی تھی کہ جب وقت دیکھو تو منٹوں کو چھوڑو۔ میرے بھائی! مجھے تاکید کرنے کے بجائے اپنے ساتھ بات کریں۔ خود کو قائل کریں۔ شیخ دعا کرتا ہے، کسی پہ احسان نہیں کرتا۔ اس کی ذمہ داریوں میں اللہ نے رکھا ہے۔ ہر طالب کے لئے بھی دعا کرتا ہے، منکر کے لیے بھی دعا کرتا ہے۔ مخالفین کے لیے بھی دعا کرتا ہے کہ اللہ انہیں ہدایت دے، یہ ذمہ داری ہوتی ہے۔ جسے اللہ کریم یہ ذمہ داری دیتے ہیں وہ انسانیت کی فلاح چاہتا ہے، صرف اپنوں کی نہیں۔ اپنے بیگانے سب اللہ کے بندے ہیں۔ سب اللہ کی مخلوق ہے۔ سب کو اللہ کے حضور جانا ہے تو جس کی زندگی سنت کے تابع نہ ہو وہ شیخ نہیں ہو سکتا۔

سنت کیا ہے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تبلیغ فرماتے تھے تو کتنی ایذاء برداشت کرتے تھے لیکن کبھی آپ ﷺ نے کسی کے حق میں بددعا نہیں فرمائی۔ دعا فرماتے تھے کہ اللہ انہیں ہدایت دے دے۔ یااللہ! یہ مجھے تکلیف اس لیے دے رہے ہیں۔ فَاِنَّهٗ لَا یَعْلَمُوْنَ۔۔۔ یہ نہیں جانتے کہ میں تیرا رسول ہوں، تیرا حبیب ہوں، تیرا محبوب ہوں۔ انہیں نہیں پتا، جانتے ہوتے تو یہ اس طرح نہ کرتے فَاِنَّهٗ لَا یَعْلَمُوْنَ۔۔۔ یہ جانتے نہیں ہیں، عذر پیش کرتے تھے بارگاہِ الٰہی میں، انہیں معاف کر دے۔ یہ بھی فرما سکتے تھے، انہیں تباہ کر دے۔ طائف میں تو جب انہوں نے پتھر مارے، غیرتِ الٰہی جوش میں آئی، ملک الجبال کو، اس فرشتے کو جو پہاڑوں پر مقرر ہے حکم دیا کہ انہوں نے تو پتھر مارے ہیں، جاؤ یہ بڑے بڑے طائف کے پہاڑ اٹھا کر بستی پہ پھینک دو لیکن ہاں! میرے نبی ﷺ سے اجازت لے لینا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر جب اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیئے کہ اللہ انہیں معاف کر دے، یہ مجھے پہچانتے نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کی نسلوں میں مسلمان پیدا ہو جائیں۔

شیخ کی تو یہ مجبوری ہوتی ہے کہ اپنے تو اسے جان سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں، بیگانوں کے لیے بھی دعا کرے۔ تو بجائے شیخ کو تلقین کرنے کے کہ آپ دعا کریں۔ آپ بھی اپنے بارے کچھ سوچا کریں،

میں کیا کر رہا ہوں؟ زندگی میں ہم دین کی مخالفت مول لیتے ہیں دنیا کی سہولتوں کے لیے۔کل بھی کچھ لوگ تشریف لائے، کیا کریں بڑی مجبوری ہے، بیماریاں بڑی جمع ہوگئی ہیں، کاروبار میں بڑا نقصان ہورہا ہے، قرض ڈھائی کروڑ کے قریب ہوگیا ہے اور بڑھتا جارہا ہے۔بھئی! بڑھتا کیوں جارہا ہے؟ کاروبار کم ہوگیا ہے۔ میں نے کہا بڑھتا تو سود ہے۔ ہاں جی! غلطی ہوگئی، لے لیا تھا۔یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے دشمنی ہے، آپ نے لے لیا پھر آپ کہتے ہیں کہ اب اسے بڑھنا نہیں چاہیے؟ کیسی عجیب بات ہے! کتنی آسانی سے آپ نے کہہ دیا؟ اباجی کو تو ہم نے بتایا ہی نہیں تھا اب انہیں بتائیں گے تو وہ ناراض ہوں گے۔ اباجی کو نہیں بتایا کہ ناراض نہ ہوں، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی ناراضگی کی فکر نہیں۔تو کچھ چھپ نہیں سکتا، بڑے جرائم ہیں بڑے گناہ ہیں، ہر گناہ پہ اللہ کی ناراضگی ہے لیکن سود پہ صرف ناراضگی نہیں بلکہ فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (البقرہ:279) اگر سود سے باز نہیں آتے تو تمہارا میرے اور میرے حبیب ﷺ کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے۔خدا کے بندو! یہ نہیں سوچا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اعلانِ جنگ کر رہا ہوں، اب جب وہ ڈھائی کروڑ ہوگیا اور لوگ کپڑے پھاڑنے پہ اور مکان چھیننے پہ آگئے تو اب کہتے ہو دعا کریں۔دعا کس سے کریں؟ جس سے تم نے اعلانِ جنگ کر رکھا ہے اس سے دعا کریں؟ میں نے کہا، میری دعا کا کام نہیں ہے، وہ پھر بھی کریم ہے، خود توبہ کرو، خود عرض کرو کہ یا اللہ میں نے غلط کیا، یا اللہ مجھے معاف کردے تو گنجائش نکل سکتی ہے۔وہ کریم ہے وہ معاف کردے گا۔اسی سے خود عرض کرو کہ میں نے تو ظلم کرلیا تُو معاف کر، اس کا کوئی بہتر راستہ نکال، آئندہ نہیں کروں گا، اور پکا ارادہ کرلو کہ پھر نہیں کروں گا، خالص دل سے، دل کی گہرائی سے یہ طے کرلو کہ پھر نہیں کروں گا تو پھر بات ہوسکتی ہے یعنی وہ پھر بھی اتنا کریم ہے کہ اس نے پھر بھی توبہ کا دروازہ بند تو نہیں کیا۔میرے بھائی معمولی چھوٹی سی تکلیف دور کرنے کے لیے تم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جنگ پر تیار ہوگئے؟ بس کیا کریں، سوچا یہ کام ہوجائے گا۔کیسے ہوجائے گا؟ تم نے اللہ سے دشمنی مول لی، کیوں؟ کاروبار بڑا تھا پیسوں کی ضرورت تھی۔میں نے کہا، کاروبار تو وہ ہی چلا رہا تھا ناں! جب دشمنی مول لے لی تو اس نے کاروبار الٹ دیا۔تو بھئی عملی زندگی کے اثرات اور نتائج زبانی روایتوں اور قصوں کہانیوں سے نہیں بدلتے۔دنیا کے معاملے میں ہر بندہ محنت کرتا ہے، دین کے معاملے میں کہتے ہیں کوئی دعا کردیں، کوئی وظیفہ بتادیں، استخارہ کردیں۔یہ عجیب بات ہے! ایک طبیب کے پاس جانا ہو تو سارے کام چھوڑ کے، ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔فیس بھی دیتے ہیں۔اللہ اور اللہ کے لیے فرصت نہیں ہے۔دعا کریں کہ وقت نکل آئے۔کمال ہے! عدالت جانا ہے، وکیل کے پاس جانا ہے، مقدمے کے لیے جانا ہے، تھانے کچہری جانا ہے، پیسے بھی دیں گے، وقت بھی نکل آئے گا، کام بھی چھوڑ دیں گے، ہم بھاگ کر چلے جاتے ہیں۔دین کے لئے، ذکر کے لیے، اجتماع کے لیے، اللہ اللہ کے لیے دعا کریں کہ مجھے فرصت ہو، کمال ہے! کبھی کسی نے نہیں لکھا دعا کریں فرصت نکل آئے میں نے کل کچہری جانا ہے، فرصت مل جائے۔وہ کام بھاگ کر کرنے جاتے ہیں۔فرصت مل جاتی ہے۔سمجھ نہیں آتی کہ آخرت جو سب سے قیمتی ہے اور مقصدِ حیات ہے، دنیا میں بھیجا اس لئے گیا ہے کہ انسان اپنے مالک سے کتنی وفا کرتا ہے، جو کچھ لے چکا ہے اس کا کتنا شکر ادا کرتا ہے۔اگر اس کا شکر ادا کرتا ہے تو آخرت میں مزید انعام پائے گا اور جو لے چکا ہے اسی کا شکر ادا نہیں کرتا تو مزید دینے کی کیا ضرورت ہے، پھر اس کی سزا بھگتے جو ناشکری کی ہے۔جس کام کے لیے آیا ہے اس کے لیے کہتا ہے دعا کرو، استخارہ کردو، کوئی وظیفہ بتادو، یہ کام ہوجائے، اور جو ضمنی کام ہیں دنیا میں رہنے کے لیے، اس عارضی وجود کو قائم رکھنے کے لئے ان کے لئے بھاگ بھاگ کر جاتا ہے۔فرمایا، قانون یہ ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۶ ۔۔۔ جو محنت کرے گا وہ پھل پائے گا۔

اس آیت کو غلط استعمال کیا جاتا ہے، آج کل فیس بک پہ چڑھائی ہوئی ہے کہ کوئی بات نہیں اگر بیماری آگئی ہے، صحت ہوجائے گی: اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۶ ۔۔۔ تکلیف کے بعد آسانیاں ہیں۔گناہ کرو کوئی بات نہیں اس کے بعد آرام آجائے گا۔یعنی آیت کا مفہوم بالکل الٹ دیا گیا۔لوگوں کو جرائم پہ دلیر کیا جارہا ہے کہ کوئی بات نہیں کرلو، مشکل آئے

گی تو پھر آسانی بھی آجائے گی۔ ایسی بات نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کرے گا وہ پائے گا۔ جو نہیں کرے گا وہ جھولی نہیں بھر سکے گا۔ فرمایا: فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ ۔۔۔ دو دفعہ تاکید کی۔ دو دفعہ فرمایا اِنَّ یقیناً قطعی بات ہے کامیابی محنت کے ساتھ لگا دی گئی ہے۔ قانون ہے فطرت کا اور پھر یہ کامیابی ثمر ہے۔ ثمرات من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ وہ پابند نہیں ہے، بندے کے ذمہ ہے کہ محنت کرے، کھاد ڈالے، زمین ٹھیک کرے، پانی لگائے، سرسبز وشاداب فصل ہو اور اسے تباہ کردے یا اس پر پھل نہ لگائے، اس پر طوفان بھیج دے یا اسے جلادے، اس پر اولے برس جائیں۔ وہ قادر ہے، اس کا اپنا نظام ہے لیکن اگر پھل لگے گا تو لگے گا اسی پر جس نے محنت کی ہے۔ نہ لگا تو شاید وہ بھی محروم ہو جائے، شاید کہیں اس کے خلوص میں خلل آگیا ہوگا۔ کہیں نیت میں فرق آگیا ہوگا، کہیں سوچوں میں غبار آگیا ہوگا۔ قرآنِ کریم وہ واقعہ بتاتا ہے کہ کسی کا بڑا باغ تھا، اس پر کتنے پھل لگے ہوئے تھے۔ وہ لوگ رات کو سوچ رہے تھے کہ صبح جلدی جانا ہے کہیں کوئی مانگنے والا، غریب مسکین نہ آجائیں، ہمارے جیسا تو پھل کسی کا ہے نہیں۔ یہ خواہ مخواہ کہتے ہیں قیامت ہوگی اور کیا ہوگا، اگر ہوگی بھی تو اس دنیا میں ہم اتنے مزے کر رہے ہیں اگر کوئی قیامت یا آخرت ہوگی تو اُس دنیا میں بھی ہم ہی مزے کریں گے۔ اس دنیا میں بھی موج ہے وہاں بھی ہماری ہی ہوگی۔ لیکن جب صبح باغ میں گئے تو راتوں رات اللہ نے تباہ کردیا۔ پہلے تو حیران ہو گئے۔ کہنے لگے، ہم کہیں راستہ بھول گئے کسی اور جگہ آگئے یہ تو ویران جگہ پڑی ہے۔ پھر کہنے لگے ہم راستہ نہیں بھولے، ہم نے ایمان میں دھکا کھایا، ہم وہاں بھولے تھے، یہ رات جو ہم نے سوچا تھا یہ اس کا نتیجہ ہے کہ یہ تو تباہ ہو گیا۔ قرآنِ کریم نے واقعہ بیان کیا ہے کہ محنت مشقت کر کے بھی کھیتی ہاتھ نہ آئی۔ ایک سوچ جو آئی، ذہن میں جو غبار آیا اس کی وجہ سے تباہ ہوگئی، تو مراد اس کی طرف سے ہے۔ محنت مشقت کر کے دعا کرنا کہ اللہ تُو نے توفیق دی میں نے محنت کی، مجاہدہ کیا، تُو نے توفیق دی، میں نے راتیں زندہ رکھیں، تیرا نام لیتا رہا، اب تُو ہی قادر ہے اس پر پھل بھی لگا، مجھے محروم نہ رکھ۔ یہ دعا تو دعا ہے، اب یہ کہنا کہ یا اللہ میں نے تو کرنا کچھ نہیں تُو قادر ہے تُو ہی کرتا رہ، تُو ہی کردے تو تمہیں اس نے کس لیے پیدا کیا ہے، تیرے ذمے کیا ہے؟ تُو کیا صرف زمین پر بوجھ ہے؟ صرف اللہ کی نعمتوں کا نقصان کرنے کے لیے ہے؟ صرف ہوا، غذا، سورج، روشنی ہر چیز استعمال کر کے چلے جانے کے لیے ہے؟

یہ قانون ہے میرے بھائی! اور پھر تصوف ہے کیا؟ تصوف ہے شریعت کی باریکیوں اور مفاہیم کو جاننے کا نام۔ ظاہر شریعت کے احکام کو سننا، مان لینا، ان پر یقین کرنا، عمل کرنا اسلام ہے۔ ٹھیک ہے الحمدللہ! نجات کے لیے کافی ہے۔ ان احکام کے پیچھے جو باریکیاں جو کیفیات ہیں ان کو محسوس کرنا۔ ان کیفیات کا دل پر وارد ہونا اور ویسے حالات کو محسوس کرنا۔ ان معنی تک پہنچنا جو ان الفاظ میں اللہ کریم نے محفوظ کر دیئے ہیں، یہ تصوف ہے۔ تصوف کوئی اسلام سے الگ چیز نہیں ہے۔ ظاہری شریعت کو سن کر مان کر اس پر عمل کرنا اسلام ہے۔ نجات کے لیے کافی ہے۔ الحمدللہ! اس کی باریکیوں میں اتر جانا، اس کے پیچھے کیفیات کو پالینا اور لذتِ آشنائی تک چلے جانا یہ تصوف ہے۔ ٹھیک ہے آپ تک اللہ کے احکام پہنچے، آپ نمازِ پنجگانہ ادا کریں، اپنے ذرائع کو حلال کریں، حرام سے بچیں اور جائز کام شریعت کے مطابق کریں تو بڑی اچھی بات ہے۔ اللہ کریم نجات فرمائے گا اور جنت میں جو سب سے کمتر آخری جنتی ہوگا اس کے بھی ہزاروں محل، لاکھوں کنیزیں، کروڑوں غلام اور اس کی ریاست کی حدود بھی بیشمار وسیع ہوں گی۔ عام جنتیوں کے مقام کہاں ہوں گے! جنتی جنتی ہے بھائی! ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ کچھ لوگ پل صراط سے بجلی کی طرح گزر جائیں گے، کچھ لوگ پل صراط سے ایسے گزریں گے کہ دوزخ دعا کرے گی کہ بارالٰہا ان لوگوں کو جلدی گزار، میری آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ کوئی بجلی کی سرعت سے، کوئی ہوا کی طرح، کوئی سوار کی طرح، کوئی پیدل کی طرح، کچھ غریب گرتے پڑتے چل پڑے، گر گئے، اٹھ کھڑے ہوئے، گر گئے، اعمال جہاں تک تھے، جہاں غلطی ہوئی گرنے لگے پھر سنبھل گئے، پھر توبہ کی، پھر چل پڑے، گرتے پڑتے پار چلے جائیں گے۔ کوئی ایک ایسا بندہ بھی ہوگا جو اس طرح گھسٹ رہا ہوگا کہ اب گرا، اب گرا، پھر پل صراط سے چمٹ جائے گا پھر سنبھل جائے گا، کبھی گھٹنوں

بل کبھی پیٹ کے بل، کبھی کھڑا ہو کر کبھی بیٹھ کر، اب گرا اب گرا، گرتا گرتا کنارے پہنچ جائے گا۔ اب وہاں اعمال ختم ہو گئے، بیٹھا ہے۔ پیچھے جہنم ہے آگے جنت ہے، پیچھے بھی نظر آ رہا ہے آگے بھی نظر آ رہا ہے۔ اعراف میں بیٹھا ہے، آگے ذخیرۂ اعمال تو ختم ہو گیا اب آگے تو جا نہیں سکتا، آگے جانے کی قوت نہیں ہے، چل نہیں سکتا، پیچھے سے بچ گیا، جنت بھی نظر آ رہی ہوگی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں، دعا کرے گا یا اللہ! میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ تُو کریم ہے میں کچھ نہیں مانگتا جہنم کے کنارے بیٹھا ہوں مجھے اس سے دور کر دے جنت کے قریب کر دے، میرا اپنا راشن تو ختم ہو گیا تُو اپنی مہربانی کر دے۔ تو ارشاد ہوگا کہ انسان وعدے تو کرتا ہے لیکن مانگنے سے بس نہیں کرتا۔ تُو کہہ تو رہا ہے کہ پھر نہیں مانگوں گا لیکن باز نہیں آئے گا۔ تیری یہ درخواست قبول کرتے ہیں۔ اسے جہنم سے کھسکا کر جنت کے قریب کر دے گا۔ کچھ عرصہ تو بیٹھا رہے گا اِدھر گرج چمک جہنم کی سنائی دے گی اُدھر فضائیں جنت کی نظر آتی ہوں گی، پھر کہے گا بارالہا! ایک چھوٹی سی درخواست ہے، جنت کی چار دیواری کے سائے میں کر دے پھر نہیں مانگوں گا۔ پھر ارشاد ہوگا کہ تُو پھر مانگے گا، خواہ مخواہ کہہ رہا ہے کہ پھر نہیں مانگوں گا۔ تیری یہ درخواست بھی مانتے ہیں۔ کچھ عرصہ گزر جائے گا پھر مانگے گا یا اللہ! کچھ نہیں مانگتا، یہ ایک درخت جس کی شاخیں نظر آتی ہیں دیوار کے اندر ہے، جنت کا یہ ایک درخت تُو مجھے دے دے، میں اس کے نیچے عمر بسر کر لوں گا پھر میں کچھ نہیں مانگوں گا۔ ارشاد ہوگا کہ تُو مانگنے سے باز نہیں آئے گا۔ یہ انسان کا مزاج ہے۔ یہ کبھی سیر نہیں ہوتا۔ اسے جتنا دے دو، یہ اور چاہتا ہے۔ ایک مکان دے دو، دس چاہتا ہے۔ دس دے دو، دس گاؤں چاہتا ہے۔ دس گاؤں دے دو ایک ملک چاہتا ہے۔ ایک ملک دے دو سارے ملک چاہتا ہے۔ یہ سیر نہیں ہوتا یہ مانگتا چلا جاتا ہے، لیکن چل جو اس درخت کے زیرِ سایہ جنت ہے وہ تیری ہو گئی۔ فرمایا اس جنتی کے بھی ہزاروں محل ہوں گے، لاکھوں خادم ہوں گے۔ اس درخت کی بھی اتنی وسعت ہوگی کہ اس کی جاگیر بھی ناپی نہیں جا سکتی۔ یہ وہ جنتی ہوگا جو سب سے آخری درجے کا ہوگا، تو پھر جن کو اعلیٰ جنتیں نصیب ہوں گی ان کا کیا حال ہوگا! یہ اللہ کریم جانے اور اس کی مخلوق جانے۔ وہ تو اس کی عطا ہے۔ اس کی عطا کی تو کوئی حد نہیں ہے۔ تو اس عطا پہ نظر ہے، اس کے لئے محنت کیا کرنی ہے وہ نہیں ہوتی۔ دنیا کیا ہے، کما، کما، کما کر پیسہ ڈھیر پاس ہے کھا نہیں سکتا۔ میٹھا بھی نہیں کھانا، شوگر ہو گئی ہے۔ ٹھنڈا بھی نہیں کھانا زکام ہو جائے گا۔ گرم نہیں کھانا بخار ہو جائے گا، تو کھانا کیا ہے؟ گندم نہیں کھانی، چنے پھانکو تو پھر اس دولت کو آگ لگائیں، رکھ کر کیا کریں، جس کے لیے ساری عمر لگا دی، کیا کریں اسے؟ بھائی! ان اوقات میں جو دنیا کے لیے صرف کر رہے ہیں ان میں اس کے لیے وقت نہ نکالیں؟ جنت میں کوئی پرہیز نہیں ہے، کوئی چیز کھانا منع نہیں ہے، کوئی سردی گرمی، کوئی بیماری کا تصور نہیں ہے، کوئی قید یا پابندی نہیں ہے، نہ جنت کا کوئی فعل حرام ہے، نہ کوئی غذا حرام ہے، نہ کوئی ناجائز کلمہ کہنے کی بات ہے نہ سننے کی بات ہے۔ کوئی پابندی نہ شرعی ہے، نہ ظاہری ہے، نہ باطنی ہے، نہ کسی طرح کی، تو پھر ان نعمتوں کے لیے محنت کیوں نہ کی جائے؟ جنہیں انجوائے کرنا ہے جنہیں کھانا ہے۔ اللہ کی محبت میں نہ سہی اپنے لیے تو کچھ کرے، محبتِ الٰہی میں کرنے والے تو اللہ کے بندے ہیں وہ ہم سوچ ہی نہیں سکتے، وہ لوگ کیسے ہوتے ہیں، وہ ہماری طرح نہیں ہوتے، نظر ہماری ہی طرح آتے ہیں لیکن وہ اور طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کو شہداء سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میری راہ میں جانیں دیں۔ جان عزیز ترین چیز ہوتی ہے، متاعِ حیات تم نے لٹا دی اب کہو، تم ہی کہو تمہیں کیا دیا جائے؟ عرض کریں گے، بارالہا وہی زندگی وہی دنیا وہی عالم پھر دے دے، وہی جہاد کی ضرورت پھر پیش آئے وہی جان لے کر میدان میں جائیں اُسی طرح سے جسم کے پھر پرخچے اڑیں، وہ جو لذت اس میں تھی وہ پھر نصیب ہو۔ ارشاد ہوگا وہ وقت تو گزر گیا، وہ دنیا تو ختم ہو گئی اب تو اس کے نتائج کا عہد ہے، اب نتائج میں سے انتخاب کرو۔ وہ تو عجیب لوگ ہوتے ہیں ساری جنتیں تو سامنے ہوں گی وہ تو جنتوں اور اعلیٰ منازل کے بجائے وہ کیفیت وہ لمحہ مانگ رہے ہیں۔ جان کنی کا وہ لمحہ جو دنیا کا مشکل ترین لمحہ ہوتا ہے۔ جس سے ہر کوئی ڈرتا ہے، وہ کہتے ہیں وہ بڑا مزے کا تھا، وہ مزہ پھر نہیں آیا، وہ تو اور بات ہے۔ بھئی ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ بندے اللہ کی جنت سے بھی بالاتر ہو کر صرف اللہ کو چاہتے ہیں۔ وہ کون لوگ ہوتے ہیں؟ وہ ہماری

سوچوں سے بالاتر ہوتے ہیں۔

اپنے آپ سے تو اتنی محبت ہونی چاہئے کہ اپنے آپ کو تو بندہ دوزخ سے بچا کر جنت میں لے جائے، خود کو جہنم کی ہولناکیوں کے سپرد نہ کرے۔ چھوٹے سے دنیوی مفاد کے لیے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے اعلانِ جنگ کر دے، جہنم خرید لے اور وقتی طور پر سود پر پیسے لے لے۔ پھر بہانہ کیا ہوتا ہے؟ جی مجبوری تھی، تو کون شوق سے سود لیتا ہے؟ ہر کوئی مجبوری میں ہی لیتا تھا لیکن اللہ نے حرام کر دیا کہ مجبوری میں مصیبت بھگت لو، سود نہ لو۔ شوق سے تو کوئی بھی نہیں لیتا کہ گھر میں پیسے بہت پڑے ہیں مزید سود پر لیں، کسی زمانے میں کوئی ایسا کرتا تھا؟ یہ جو لوگ سوچتے ہیں کہ میں نے مجبوری میں لیا، وہ یہ بھی سوچیں کہ تاریخ میں کوئی ایسا دور گزرا ہے کہ دو کروڑ روپیہ گھر پڑا ہو اور بندہ کہے پچاس لاکھ اور چاہئے۔ وہ سود پر لے لو، کیا کوئی ایسا کرتا تھا کہ گھر والی رقم پڑی رہے اور مزید رقم سود پر لے لیں؟ کون ایسا کرتا تھا؟ کم پڑتے تھے، مجبوری ہوتی تھی تو لوگ لیتے تھے۔ اللہ نے فرمایا یہ طریقہ ناجائز اور حرام ہے، جائز طریقہ یہ ہے کہ تجارت کرو، کاروبار کرو، جائز منافع لو۔ سود لینا بھی، دینا بھی، لینے والا، دینے والا، گواہی دینے والا، دلوانے والا سب ایک جیسے گنہگار ہیں۔ اللہ نے قرآنِ کریم میں سود، خنزیر اور شراب کے بارے ایک اصطلاح استعمال فرمائی ہے: فَاجْتَنِبُوْهُ (سورۃ المائدہ:90) ان سے اجتناب کرو یعنی ہر طرح سے دامن بچاؤ، ان کے ذرائع اور وسائل بھی حرام ہیں، صرف خنزیر کھانا حرام نہیں ہے، خنزیر اجرت پہ چرانا بھی حرام ہے۔ کوئی ٹرک والا کسی کے خنزیر ٹرک پر لاد کر لے جاتا ہے، آگے اتار کر جو اجرت لیتا ہے وہ بھی حرام ہے۔ کوئی اس غرض سے انگور بوتا ہے کہ اس کی شراب بنا کر بیچوں گا وہ انگور بونا حرام ہے۔ انگور تو حرام نہیں ہے، کاشت حرام نہیں ہے لیکن اس نظر سے کاشت کرنا، اس نیت سے کہ اس سے شراب بناؤں گا تو وہ کاشت کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ شراب، خنزیر اور سود یہ تین ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے ذرائع حرام ہیں۔ ایک سود لیتا ہے دوسرا سود دیتا ہے، ایک گواہ بنتا ہے، وہ اسٹام لکھتے ہیں، گواہی دینے والا بھی اس کا سزاوار ہے، اس پر گواہی دینا حرام ہے۔ اس کے لیے اسٹام فروش جس نے اسٹام بیچا، جو پیسے اس نے لیے وہ حرام ہے۔ اس نے تو اپنا اسٹام دے کر پیسے لیے لیکن سود کے لیے دینا حرام ہے۔ سود، شراب اور خنزیر ان کے وسائل اور ذرائع بھی حرام ہیں۔ ان سے اجتناب کا حکم ہے۔ باقی برائیاں حرام ہیں۔ حرام کا مطلب منع کر دیا گیا۔ جن چیزوں سے روکا گیا اور اجتناب سے مراد ہے ان کے متعلقات تک سے اپنا دامن بچاؤ۔ چیزوں سے روکا گیا۔ یعنی پوری طرح دامن بچانے کا حکم دیا گیا کہ ان کے وسائل اور ذرائع بھی حرام ہیں، تو ہم کتنی آسانی سے یہ سارا کر لیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں اب دعا کرو، میں عرض کرتا ہوں کہ خود توبہ کرو کہنا مانو۔ اقرار تو کرو۔ یا اللہ! میں نے تو ظلم کر لیا تو کریم ہے، معاف کر۔ پھر نہیں کروں گا۔ تو وہ کریم ہے کوئی راستہ نکلنے کا بھی بنا دے گا، لہٰذا اصول کیا ہے؟

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۵ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۶۔۔۔ یقیناً محنت کے بعد کامیابی ہے، مشقت کے بعد آسانی ہے۔ محنت کرو گے، مشقت کرو گے، مجاہدہ کرو گے تو آسانیاں بھی پالو گے۔ جنہوں نے برسوں لطائف کیے پھر اللہ نے ان کو یہ آسانیاں بھی دیں کہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ان کے وجود کا ذرہ ذرہ ذاکر ہو گیا۔ ہر سیل ذاکر ہو گیا۔ پھر ذکر ہی ذکر، ذکر ہی ذکر، ذکر ہی ذکر ہوتا رہا۔ ان کی قبریں بھی ذاکر ہیں۔ جس مٹی میں دفن ہوئے وہ مٹی بھی ذاکر ہو گئی۔ یہ آسانیاں ان کے مجاہدے پر اللہ نے مرتب فرمائیں، تو دنیا کے لیے ہر بندے کو فرصت بھی ہے ارادہ بھی ہے، سورج طلوع نہیں ہوتا ہر کوئی اٹھ کر کام پر ہوتا ہے۔ یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ پبلک ٹرانسپورٹ کی گاڑیاں نکلتی ہیں، ان کی بھی چھتیں بھری ہوئی ہیں۔ سارا دن ہر بندہ بھاگ رہا ہے۔ کیوں؟ کیا طوفان آ گیا کہ سڑک عبور کرنا ناممکن ہو گیا ہے اس دور میں۔ کدھر بھاگ رہے ہیں، لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ دنیا کمانے اور کیا ہے! ہر کوئی آنکھ کھلتے ہی بھاگ جاتا ہے، پھر دیر کو تھکے ماندے بستر پر گرتے ہیں، پھر اٹھ کر بھاگنا۔ دنیا کے لئے اتنا مجاہدہ ہو رہا ہے، دین کے لیے کیوں نہیں ہوتا؟ دین کے لیے مولوی صاحب جو ہیں۔ بچہ ہو گا تو اذان کہہ دیں گے۔ مر جائے گا تو جنازہ پڑھ لیں گے۔ بس ٹھیک ہے۔ کمال ہے! دنیا کے لئے کوئی مولوی صاحب نہیں۔ وہاں خود سیانے ہیں، ڈاکٹر بھلے کہتے رہیں کہ کام چھوڑ دو، کچھ آرام کر لو تو کام نہیں چھوڑتے۔ دنیا کے

کام، کام ہیں، دنیا کے کام واقعی ضروری ہیں لیکن ایسے کرنا ضروری ہیں جیسے اللہ نے حکم دیا ہے۔ تب وہ کام آخرت بناتے ہیں۔ اپنی ترجیحات کو ترتیب دیجئے۔ آپ قانونِ فطرت کے تابع ہیں، قانون آپ کے اور میرے تابع نہیں ہے۔ قانون یہ ہے کہ جب ہم بچے تھے اس وقت ہم خود کو بوڑھا نہیں کر سکتے تھے۔ اب ہم بوڑھے ہیں بچپن کو نہیں لوٹا سکتے۔ اس وقت کے فرائض میرے لیے لڑکپن کے جوانی کے جو تھے وہ اُس وقت کے تھے، جو آج کی ذمہ داری ہے یہ آج کی ہے۔ پتا ہے کیوں شور ہوتا ہے گھروں میں؟ بوڑھے جوان بنتے ہیں۔ جوانوں کو موقع نہیں دیتے۔ یہ بھی نہ کرو وہ بھی نہ کرو تم اپنا کر چکے یار، اب تم دعا کرو۔ کوئی پوچھے تو راہنمائی کر دو۔ تم بوڑھے ہو چکے ہو تم ریٹائر ہو چکے ہو، تمہیں نہیں پتا تم اپنے زمانے کے ماہر تھے، اب وہ دور گیا وہ عہد گیا، وہ چیزیں گئیں۔ اب جو اس زمانے کے لوگ ہیں انہیں کرنے دو۔ جو پوچھے اس کے لیے راہنمائی کرو، جو کہیں اس کے لیے دعا کرو کہ اللہ انہیں ہدایت بھی دے اور برکت بھی دے۔ جوان بھی آرام سے رہیں، بوڑھوں کو بھی عزت ہو۔ لیکن ہم بڑھاپے کو نہیں مانتے۔ بھئی آپ نے جب کرنا تھا آپ کر چکے۔ آپ نے اچھا کیا یا بُرا کیا آپ اپنا وقت گزار چکے، اپنے حصے کا کام کر چکے۔ اب جن کی باری ہے ان کو کرنے دو۔ کتنے آرام سے وقت گزرے۔ بچوں کو بچہ رہنے دو۔ کہتے ہیں تعویذ دے دیں جی بچہ روتا ہے۔ وہ بچہ ہے، بے زبان ہے، تعویذ سے غزلیں پڑھے گا؟ اسے جب بھوک لگے گی وہ روئے گا، پیاس لگے گی روئے گا، تکلیف ہوگی روئے گا، کوئی بلائے گا نہیں، پریشان ہوگا۔ اسے بہلاؤ کھلاؤ، بچہ ہے بچے کا دھیان رکھو۔ اب اس سے یہ اُمید رکھتے ہو جتنے ہم ہیں اتنا ہی بچہ بھی ایسا ہی سوچے! کیسے بچہ سوچے؟ بچہ تو بچہ ہے۔ اپنے بچپن لڑکپن کو یاد کریں، جب آپ آٹھ سال کے پانچ سال کے تھے کیا ایسے ہی دانشور تھے جیسے آج ہیں؟ تو ہم دنیا کے امور میں بھی تمیز نہیں کرتے۔ ہم چھ سال سات سال کے بچے سے اُمید رکھتے ہیں کہ یہ ایسی دانشمندی کرے جیسا میں ہوں۔ جب آپ اس عمر کے تھے تو کتنے دانشمند تھے؟ دنیا میں جس بندے میں دنیا کے امور کی تمیز نہیں ہے تو دین تو اس سے بہت نازک معاملہ ہے۔ دین تو دل کی بات ہے، دنیا دماغ کی بات ہے۔ دل کی لطافتیں تو بہت نازک ہیں۔ سو فرمایا فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ۔۔۔ دنیا کے سارے کام دین کے مطابق کرو تا کہ تمہارے حصے میں دنیا نہیں دین ہی رہ جائے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ ذاتِ اقدس ہیں کہ جن کی ہر حرکت و سکون دین ہے۔ آپ ﷺ کا خاموش رہنا دین ہے۔ آپ ﷺ کا کلام فرمانا دین ہے۔ آپ ﷺ کا سو جانا دین ہے۔ آپ ﷺ کا جاگ اٹھنا دین ہے۔ آپ ﷺ کا چلنا دین ہے۔ آپ ﷺ کا رکنا دین ہے۔ آپ ﷺ کا خفا ہونا دین ہے۔ آپ ﷺ کا مہربان ہونا دین ہے۔ ہر لحہ دین ہے اور قانون ہے، قیامت تک ہے۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء:80) اللہ کی اطاعت اس نے کی جس نے میرے نبی ﷺ کی اطاعت کی۔ بات ختم ہوگئی۔ ان لوگوں کو انہیں ارشاد ہو رہا ہے: فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ۔۔۔ میرے حبیب ﷺ! کھانے پینے، چلنے پھرنے تک سارا کام اللہ کے حکم کے مطابق آپ ﷺ کرتے ہیں پھر بھی جب اس سے فرصت ملے اللہ اللہ کرنا شروع کر دیں۔ حضور ﷺ کی وساطت سے اُمت کے لیے حکم ہے: وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ۔۔۔ کلّی طور پر اپنے پروردگار میں فنا ہو جاؤ، کچھ یاد نہ رہے، زمین کہاں ہے، آسمان کدھر ہے، رشتے کیسے ہیں، زندگی کیا ہے، کچھ نہ رہے صرف اللہ رہ جائے۔ دل میں بھی، دماغ میں بھی، سوچوں میں بھی، وجود میں بھی اپنے ربّ میں مٹ جاؤ، فنا ہو جاؤ۔

یہ ارشاد ہو رہا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کو، اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذات کو تو یہ مقامات تخلیقی طور پر حاصل تھے۔ حضور ﷺ کو خطاب اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ کوئی دوسرا اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ سونا جاگنا شریعت کے مطابق ہو، کاروبار شریعت کے مطابق ہو، بول چال شریعت کے مطابق ہو، صلح یا جنگ شریعت کے مطابق ہو، شادی بیاہ شریعت کے مطابق ہو، لباس جوتا کپڑا شریعت کے مطابق، پھر بھی جب دنیا کے امور شریعت کے مطابق جو دین کے مطابق ہی ہے، ان سے فرصت ملے تو پھر اللہ اللہ کرنے بیٹھ جاؤ اور کتنی اللہ اللہ کرو؟ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ۔۔۔ رب ہی رب رہ جائے کچھ نہ

بچے۔اب جو قرآنِ کریم راہنمائی فرما رہا ہے، جو اللہ کریم ارشاد فرما رہا ہے اس کے بعد کسی کی تصدیق کی کوئی ضرورت باقی رہتی ہے؟ یہ خطاب ہو رہا ہے اس ہستی ﷺ کو کائنات جس کی اطاعت پہ پابند اور مجبور ہے، جو رضائے الٰہی کی سند ہے، تو کون اس سے مستثنیٰ ہے؟ چھوٹا بڑا، امیر غریب، پیر فقیر کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں۔اس قانون کو اپنے پر لاگو کر کے دیکھئے، اپنی فرصت کے اوقات دیکھئے، اوقاتِ کار بھی دیکھئے، اوقاتِ کار بھی شریعت کے مطابق ہوں۔ جب دنیوی امور سے فرصت ہو، فرمایا، پھر اللہ اللہ کرنے لگ جایئے۔ اِدھر تو چھٹی کوئی نہیں۔کتنی اللہ اللہ کریں۔ ڈوب جاؤ، ختم ہو جاؤ، اس میں اللہ ہی اللہ رہ جائے، اسی فنا میں بقا ہے۔ اسی موت میں حیات ہے۔قرآنِ کریم تو اس طرف راہنمائی فرماتا ہے، اللہ کی کتاب ہے راہنمائی کے لیے، اس کا حق ادا کر لیتا ہے۔

اب یہ اور بات کہ ہم قرآن کو بھی سمجھنے کے بجائے وظیفوں کی کتاب سمجھتے ہیں۔ میں حیران ہوتا ہوں جو آتا ہے کہتا ہے وظیفہ بتائیں، جی کوئی آیت بتائیں، کوئی سورت بتائیں۔ٹھیک ہے بھئی نبی کریم ﷺ نے بعض سورتوں کے فضائل بتائے ہیں، بعض آیات بطورِ دم، دوا اور درد علاج کے لئے فرمائی ہیں لیکن یہ ان لوگوں کو بتائی ہیں جن کا اوڑھنا بچھونا قرآنِ کریم تھا۔ جو رات دن پڑھا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ وہ لوگ نہیں تھے کہ ایک سورت ایک آیت کو وظیفہ بنا لیا باقی قرآن چھوڑ دیا۔نہیں! وہ تو وہ لوگ تھے جنہیں نبی کریم ﷺ روکا کرتے تھے کہ اتنا نہ پڑھا کرو، بھئی کچھ وقت اپنے وجود کو بھی دو۔ وہ تو وہ تھے جنہیں حضور ﷺ منع فرماتے تھے کہ اتنی زیادہ تلاوت نہ کیا کرو بلکہ ضد کر کے صحابہ کرامؓ نے دس پارے روز کی اجازت لی۔ یارسول اللہ ﷺ میں اس سے زیادہ پڑھ سکتا ہوں۔ میں روز ایک ختم تو کر سکتا ہوں، دو ختم کر سکتا ہوں، تین کر سکتا ہوں لیکن آپ ﷺ نے پسند فرمایا کہ تین پارے روز پڑھ لیا کرو۔ بس یہ اجازت تھی، یہ مناسب ہے۔اس کے باوجود کچھ نے دس پڑھنے کی اجازت لی یعنی وہ لوگ تھے جنہیں کثرتِ تلاوت سے نبی کریم ﷺ منع فرماتے تھے۔ وہ اس طرح تلاوت نہیں کرتے تھے کہ کام نہیں کرنا، سارا دنیا کا کام کر کے جو آرام کا وقت ہوتا، تلاوت پر لگا دیتے تھے، مشقت کر کے، مزدوری کر کے، ہل چلا کے، کھیتی باڑی کر کے، کھجوریں کاشت کر کے سارا مشقت کا کام کر کے جو وقت رخصت کا، دنیا سے چھٹی کا ہوتا تھا وہ سارا تلاوت پہ لگا دیتے۔ اس سے نبی کریم ﷺ منع فرماتے تھے کہ کچھ تلاوت پہ لگاؤ کچھ آرام بھی کرو۔ ان کو وظیفے بتاتے تھے کہ یہ آیت پڑھ کر دم کرو، درد ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ سورت پڑھ کر سو جاؤ شیطان تنگ نہیں کرے گا۔ ہم وہ وظیفے لے لیتے ہیں باقی سارا قرآن چھوڑ دیتے ہیں۔ وظائف کا یہ مطلب تو نہیں کہ قرآن وظیفوں کی کتاب ہے۔ وہ وظیفے لے لو باقی چھوڑ دو۔ نہیں۔ قرآن کو تو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ پڑھنا سنت ہے، سننا فرض ہے۔ جو چیز نصِ قرآنی سے ثابت ہو وہ فرض واجب ہو جاتی ہے۔ ارشادِ باری ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا (سورۃ الاعراف: 204) فرمایا جا رہا ہے، قرآن پڑھا جا رہا ہو تو خاموش ہو جاؤ اور سنو۔ اس کا پڑھنا سنت، سننا فرض ہے۔ تلاوت کو حرزِ جان بناؤ، کوئی دن اس سے خالی نہیں ہونا چاہئے۔ بعض لوگ بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ ہمارے چیف جسٹس ہوا کرتے تھے جسٹس حلیم صاحب، اللہ انہیں غریقِ رحمت کرے، نیک آدمی تھے۔ تو ایک دن مجھے کہنے لگے کہ یار مولانا میں رات کو تلاوت ضرور کرتا ہوں، مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ رات رات ہے، پتا نہیں صبح اٹھیں یا نہ اٹھیں کہ نیند اور موت تو ایک جیسی ہے تو میں سونے سے پہلے تلاوت کر لیتا ہوں۔ مجھے ان کی بات بہت پسند آئی۔ تب سے اب تک الحمدللہ میں رات کو تلاوت کرتا ہوں۔ اچھی بات کہیں سے مل جائے تو اسے اٹھا لینا چاہئے۔ اس پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔

ہمارے چیف جسٹس ہوتے تھے پاکستان کے۔ یہاں ہم نے جمعہ ان کی آمد پہ شروع کیا تھا۔ حضرتؒ پہلے جمعہ منارہ پڑھا کرتے تھے۔ یہاں ہم جمعہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ ایک قانون ہے۔ اب تو شہر بن گیا، اس وقت تو ویرانہ تھا۔ اب تو شہر بن گیا اب تو کوئی اعتراض نہیں۔ فقہ کا ایک قانون ہے کہ ملک کا سربراہ جس جگہ بھی ہو جمعہ کے دن وقت ہو جائے نماز کا تو وہاں جمعہ جائز ہو جاتا ہے اور پھر وہاں پڑھتے رہیں تو اس کا وہ جواز کافی ہے۔ جہاں ایک دفعہ جمعہ پڑھا جائے وہاں پھر ہمیشہ پڑھا جاتا ہے۔ یہاں دارالعرفان میں پہلا جمعہ اُن کی تشریف

آوری پر ہوا۔ اس وقت کے صدرِ پاکستان ملک سے باہر تھے اور ان کی غیر موجودگی میں چیف جسٹس حلیم صاحب تشریف لائے اور مسجد کا یہ اوپر کا پورشن جو ہے یہ اس قابل تھا۔ یہاں ہم نے جمعہ کی نماز ادا کی۔ باقی ساری جگہ تعمیر کا سامان اینٹیں وغیرہ پڑی تھیں۔ یہ چھت صاف کر کے یہاں پہلا جمعہ پڑھا تھا۔ یہاں جمعہ کی ابتداء ہوئی تھی۔ وہ مجھے بتانے لگے کہ مولانا میں سونے سے پہلے تلاوت ضرورت کرتا ہوں۔ مجھے یہ بات بڑی پسند آئی، تو مدت ہوگئی الحمدللہ! اللہ کی توفیق ہے میں سونے سے پہلے تلاوت ضرور کرتا ہوں۔ بڑی مزیدار بات ہے کہ نیند تو موت کی بہن ہے، صبح آنکھ کھلے نہ کھلے، تو دنیا کا آخری کام تو تلاوت ہونی چاہئے۔ اب اسے وظائف کی کتاب بنالو، ایک آیت پڑھ لو ایک سورت پڑھ لو تو یہ کوئی انصاف نہیں ہے۔

قرآن کو پڑھو۔ پڑھنا عین ثواب ہے۔ کیفیات ملتی ہیں لیکن سمجھو۔ قرآن باتیں کرتا ہے۔ ہم قرآن پڑھتے ہیں، ہم کہتے ہیں، قرآن کہتا ہے۔ لوگو! قرآن لوگونہیں کہتا، کہتا ہے تم جو میرے ساتھ بات کررہے ہو، میرے ساتھ بات کرو۔ تم یہ کروگے تو یہ ہوگا۔ تم نے یہ کہا تو یہ مطلب ہوگا۔ تم یہ کروگے تو یہ نتیجہ پاؤ گے، قرآن بندے سے بات کرتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ عالی ہے کہ جو اللہ سے باتیں کرنا چاہے فلیقرا القراٰن وہ قرآن پڑھے اوکما قال رسول اللہ ﷺ۔ قرآن سے باتیں کرو، وہ کیا فرماتا ہے۔ خود سمجھو۔ اب یہ قرآن بتا رہا ہے کہ محنت کرو نتائج حاصل کرو۔ نتائج اللہ عطا فرمائیں گے۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۵ ۔۔۔ پھر دوبارہ دہرایا جا رہا ہے، دوبارہ کہہ رہا ہے یقیناً کامیابیاں محنت پر منحصر ہوا کرتی ہیں اور ساری محنت مجاہدے کے بعد کوئی لحہ ملے تو فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷ ۔۔۔ اس وقت بھی اللہ کی طرف جھک جاؤ، اس کا نام لو، اس کو یاد کرو، اس کی یاد میں مشغول ہوجاؤ۔ کتنا کروں؟ فَارْغَبْ ۝۸ ۔۔۔ فنا ہوجاؤ، اس میں ڈوب جاؤ۔ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸ ۔۔۔ وہ تیرا رب ہے، جو تُو ہے وہ بھی اس نے بنایا، جو تیرا ہے وہ بھی اس نے دیا، جو تیرا ہوگا وہ بھی، وہ تیرا رب ہے اس کے ساتھ کیا حساب کرتا ہے۔ فنا کرلے خود کو اس کی یاد میں۔ اللہ کریم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے گناہ معاف فرمائے۔ ہمیں قرآن کا شعور عطا فرمائے۔ سمجھ عطا فرمائے۔ ہم قرآن کی زبان سمجھ سکیں، باتیں کرسکیں سیکھ سکیں، آخرت میں تو کھلی باتیں کرے گا۔ میدانِ حشر میں تو اس کے سامنے کھڑا ہونا ہوگا، یا اللہ! اس نے میری بات نہیں سنی۔ یہ نہیں سنتا تھا۔ یہ میرا مذاق اڑاتا تھا۔ بارِ الٰہا! یہ میرا انکار کرتا تھا۔ اور جس نے قرآن پر عمل کیا ہوگا اس کے بارے کہے گا، اس نے میری بڑی عزت کی، یہ میرا احترام کرتا تھا۔ یہ میرے ساتھ باتیں کرتا، یہ میری باتیں سنتا یہ میری مانتا بھی تھا۔ یہ ساری باتیں وہاں تو ہوں گی، یہاں نصیب ہوجائے تو پھر کیا بات ہے!

ضرورت سٹاف

Siqarah The Learning Hub International (SALHI)

کو اکاؤنٹنٹ، گارڈ، مالی کی ضرورت ہے۔ تنخواہ بوقت انٹرویو طے کی جائے گی۔ خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

0300-4245232

ضرورتِ رشتہ

1۔ تعلیم یافتہ، برسرروزگار لڑکے کے لیے رشتہ درکار ہے لڑکے کی عمر 23 سال ہے۔

2۔ ایک لڑکی، تعلیم ایف اے، عمر 19 سال کے لیے رشتہ درکار ہے، جنوبی پنجاب کے پڑھے لکھے، احبابِ سلسلہ عالیہ، سادات فیملی کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ نمبر 0301-6961345

ضرورتِ رشتہ

دو بیٹیوں کے لئے رشتہ درکار ہے جن کی رہائش شیخوپورہ اور سلسلہ عالیہ سے تعلق ہے۔

1۔ خوش شکل، عمر 28 سال، تعلیم ایم ایڈ، قد پانچ فٹ چھ انچ،

2۔ خوش شکل، رنگ سانولہ، عمر 32 سال، تعلیم میٹرک، قد پانچ فٹ چھ انچ داہنے ہاتھ میں کھچاؤ ہے، سب کام کرسکتی ہے۔

خواہشمند حضرات ان نمبروں پر رابطہ کریں۔

0346-8935637,0334-4146797

سورۃ النمل

مسائل السلوک من کلام ملک السلوک حرکہ
الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

اکثر اہل مقامات واحوال پر غلبہ اشعار کی اصل:

قولہ تعالیٰ: اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا (الشعراء:227)

ترجمہ: ہاں مگر جولوگ ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کئے اور انہوں نے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا۔

"روح میں ہے کہ یہ استثناء ہے ان شعراء کا جو مومن صالح اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے ہیں اور ان کے اشعار بھی توحید و ترغیب آخرت و زہد فی الدنیا وغیرہ میں ہوتے ہیں اور جلیل القدر حضرات سے شعر کی مدح منقول ہے، چنانچہ حضرت علیؓ کا بھی ارشاد ہے کہ شعر میزان ہے عقل کی مختصراً، اور کچھ تو بات ہے جو بڑے بڑے عارفین اور عشاق عربی و عجمی اکثر مقامات واحوال کو اشعار ہی میں زیادہ ظاہر کرتے ہیں اور شعر میں جو کیفیت تہیج و تاثیر کی ہے جو کہ نثر میں نہیں اس کا تو انکار ہی نہیں ہو سکتا اور چونکہ یہ تاثیر خود مطلوب ہے۔ اس حیثیت سے اس کو نثر پر ترجیح ہوگی اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کو حکمت فرمایا ہے، بجز اس نثر کے جس میں یہ تاثیر اکثر واقوی ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام۔"

یہ شعراء کے حق میں آئی تھی شعراء کے بارے کہا گیا فِیۡ کُلِّ وَادٍ یَّہِیۡمُوۡنَ ﴿۲۲۵﴾ یَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲۲۶﴾ شاعر ہر گوشے میں جھانکتے ہیں جو کرتے نہیں وہ کہتے ہیں۔ شعروں میں مبالغہ کرتے ہیں۔ عملی زندگی سے بڑھ کر باتیں کرتے ہیں۔ اس کی مذمت کی گئی۔ تو فرمایا اس سے اللہ تعالیٰ نے استثناء دیا ہے۔ کچھ لوگ اس سے محفوظ ہیں۔ وہ لوگ جن کا عقیدہ بھی صحیح ہے اور عمل بھی درست ہے کثرت سے اللہ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ تین باتیں بتائیں۔ ایک تو ایمان کے ساتھ عمل کی قید ساری کتاب اللہ میں ہر جگہ موجود ہے۔ جہاں ایمان کا ذکر آتا ہے ساتھ عمل صالحات کا ذکر آ جاتا ہے۔ چونکہ ایمان اور عمل الگ نہیں ہو سکتے اور بغیر عمل کے ایمان کا اعتبار نہیں ہوتا لہٰذا جہاں بھی ایمان آئے گا عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ آئے گا اور کردار نیک ہے، اتباع شریعت کے ساتھ۔ وَ ذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا اور کثرت سے اللہ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ اگر وہ شعر بھی کہتے ہیں تو اس شعر کی تعریف کی گئی ہے، وہ اچھی بات ہے اور فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ اگر شعر بھی کہتے ہیں تو اس میں اللہ کی محبت ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی ہے دنیا سے بے رغبتی کی بات ہوتی ہے۔ آخرت کی بات ہوتی ہے جیسے بڑے بڑے صوفی شعراء نے اشعار کہے ہیں متقدمین میں بھی عرب شعراء نے بھی اور عجمی شعراء حضرات نے بھی اور اکثر صوفیاء نے اپنے احوال و کیفیات کو شعر میں بیان کیا ہے، تو فرماتے ہیں نثر کی نسبت جو عبارت کو نظم کر دیا جاتا ہے یعنی شعر بنا دیا جاتا ہے تو اس کی تاثیر بدل جاتی ہے۔ تو اگر نیکی کی جو تبلیغ ہے۔ عظمت الٰہی کی حمد کی جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کہی جائے، شعر میں کہی جائے، آخرت کی بات کی جائے، دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ کیا جائے، نیکی کا تذکرہ کیا جائے اور برائی سے بچنے کی تعلیم دی جائے تو وہ شعر اچھے ہیں وہ شاعر مبارک ہے اور ان کی تاثیر تمام کلاموں پر حاوی ہے سوائے اللہ کے کلام کے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے چونکہ اللہ کا کلام اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اپنی تاثیر میں لاثانی ہے، کوئی دوسرا اس کی مثال نہیں بن سکتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا کہ شعر حکمت ہے۔ شعر دانائی ہے کہ بہت سے مضامین کو دو مصرعوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ بہت بڑی بات چند الفاظ میں آ جاتی ہے۔ پھر ان کی ترتیب اور ان کے اوزان

اوراس میں جوایک ربط اورایک توازن پیدا کیا جاتا ہے تو پھر اس کی تاثیر زیادہ ہو جاتی ہے۔تو یہ تین قیدیں لگائی ہیں۔کہ جو شاعر صحیح العقیدہ ہو، صالح العمل ہو اور ذکر کثیر کرتا ہو، ذاکر ہو اور اس کا شعر بھی اچھا ہے۔

سورۃ النمل

ہر شخص کی شہادت قلب معتبر نہیں:

قولہ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ (النمل:4)

ترجمہ: جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال ان کی نظر میں مرغوب کرر کھے ہیں۔

"یہ اس پر دال ہے کہ شہادت قلب ہر شخص کی معتبر نہیں۔"

فرمایا دل جن باتوں سے خوش ہوتا ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ باتیں اچھی ہوں۔جن لوگوں کو آخرت پر یقین حاصل ہے ان کا دل نیکی پر خوش ہوتا ہے۔لیکن جن لوگوں کو نور ایمان نصیب نہیں اور آخرت پر یقین نہیں تو اللہ ان کے دل کو برائی پر لگا دیتا ہے اور وہ برائی کر کے خوش ہوتا ہے۔ لہٰذا دل کا خوش ہونا کسی عمل کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ صحیح ہونے کی دلیل اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

(1) اس کا امکان کہ صاحب کشف کو اپنے کشف کی حقیقت معلوم نہ ہو: (2) تجلی مثالی کا بلا حلول صحیح ہونا:

قولہ تعالیٰ: اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ النمل:7

ترجمہ: کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔

"یہ دو مسئلوں پر دال ہے۔ایک یہ کہ ممکن ہے کہ صاحب کشف اپنے مکشوف کی حقیقت نہ جانے اور دوسرا مسئلہ تجلی مثالی کا صحیح ہونا۔"

فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے آگ دیکھی۔تو فرمایا اس میں دو مسئلے ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ صاحب کشف اپنے مکشوف کی حقیقت نہ جانے یعنی صاحب کشف کو جو کچھ نظر آیا وہ حقیقت نہ ہو اور اسے کشف میں دھوکا لگا ہو۔جیسے موسیٰؑ کو آگ دکھائی دی، وہ آگ نہیں تھی تجلی باری تھی تو انہوں نے اسے آگ سمجھا۔اسی طرح صاحب کشف کسی چیز کی حقیقت سے بے خبر رہ کر اس کو کچھ کا کچھ سمجھ سکتا ہے، اسی لئے یہ پابندی ہے کہ ہر کشف کو شریعت سے پرکھا جائے۔دوسرا یہ ہوتا ہے کہ ہر کشف واضح نہیں ہوتا۔ہر کشف کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ وہ تاویل کا محتاج ہوتا ہے۔بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کشف واضح ہو، اکثر وہ تاویل کا محتاج ہوتا ہے اور اس کے لئے اللہ کا دیا ہوا خاص علم چاہیے کہ بندہ اس کو سمجھ سکے۔ اور دوسرا تجلی مثالی کا صحیح ہونا، تجلی ذات تو بہت بڑی بات ہے۔تجلی مثالی اس کی مثال کا پرتو ہے جیسے صوفیاء نے اس واقعہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ پہاڑ پر جو تجلی ہوئی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے تو وہ عین ذات کی تجلی نہیں تھی بلکہ اس کا پرتو تھا، جیسے سورج کے سامنے شیشہ کر کے نیچے سے کہیں روشنی ڈالی جائے تو وہ تجلی مثالی ہوگی۔دنیا میں سمجھنے کے لئے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں۔تجلی مثالی کیا ہے؟ کہ تجلی براہ راست نہ ہو کسی واسطے کسی ذریعے سے اس کا پرتو اور اس کا عکس ہو۔ تو فرماتے ہیں اس آیت میں تجلی مثالی کا صحیح ہونا صادق ہوتا ہے۔

باوجود خوف کے اس سے ذہول ہو جانا:

قولہ تعالیٰ: اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ (النمل:10)

ترجمہ: اور ہمارے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے۔

"لَدَيَّ قرب کے لئے موضوع ہے اور مراد حالت قرب سے حالت وحی ہے۔مطلب یہ ہوا کہ وحی کے وقت بوجہ اس میں مستغرق ہونے کے، خوفناک چیزوں سے بھی خوف کا احساس نہیں ہوتا۔اور بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ میرے غیر سے خوف نہ ہونا چاہیے تو اس سے دو امر ثابت ہوئے، ایک یہ کہ کسی وقت خوف تو ہوتا ہے مگر مغلوب ہونے کے سبب محسوس نہیں ہوتا، دوسرا یہ کہ بعض احوال میں مطلقاً خوف بھی زائل ہو جاتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو اولاً خوف ہوا تھا پھر اس کے ازالہ کا حکم ہوا۔"

فرمایا یہاں موسیٰؑ سے ارشاد فرمایا گیا تھا جب انہوں نے لاٹھی پھینکی اور وہ اژدھا بن گئی تو وہ پیچھے ہٹے تو اللہ نے فرمایا کہ اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ میری بارگاہ میں میرے پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔تو فرماتے ہیں نہ ڈرنے کا جو سبب اللہ نے ارشاد فرمایا وہ ہے لَدَيَّ یعنی میرا قرب، تو جب قرب الٰہی یا وصول

الٰہی یا اللہ کی رضا نصیب ہوتی ہے تو غیر اللہ کا ڈر ختم ہو جاتا ہے اور فطرتاً انسانی فطرت ہے کبھی کوئی خوف محسوس بھی ہو تو اس خوف سے بندہ متاثر نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں جیسے موسیٰ ؑ کو پہلے خوف محسوس ہوا پھر حکم ہوا نہیں آپ ڈریں نہیں اسے پکڑلیں تو آپ نے آگے بڑھ کر اژدھا کو پکڑ لیا اور وہ پھر لاٹھی بن گیا۔ تو کسی وقت بتقاضائے بشریت اللہ کے بندوں کو کسی بات کا خوف آئے بھی تو وہ اپنے کام سے نہیں رکتے، اس طرح کا خوف غالب نہیں ہوتا کہ وہ انہیں اپنے کام سے روک دے۔ وہ اپنا کام کرتے رہتے ہیں اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور قرب الٰہی کی دلیل یہ ہے کہ صرف اللہ کا خوف ہوتا ہے، اللہ کے سوا کسی دوسرے کا ڈر نہیں رہتا۔

فناء کے لئے اس کے غلبہ کا دوام لازم نہیں:

قولہ تعالیٰ: وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ (النمل:15)

ترجمہ: اور ان دونوں نے کہا کہ تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے سزاوار ہے جس نے ہم کو اپنے بہت ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔

"آیت اس پر دال ہے کہ کاملین میں غلبہ فنا کے آثار کا ہر وقت مستمر رہنا لازم نہیں چنانچہ دونوں حضرات فنا کے اعلیٰ مقام پر تھے اور باوجود اس کے ان کو اپنے کمالات کی طرف التفات ہوا اور ظاہر ہے کہ یہ التفات غلبہ آثار فنا کے ساتھ مجتمع نہیں ہوسکتا۔ دوسرے اس سے یہ معلوم ہوا کہ اظہار نعمت عجب و کبر میں داخل نہیں، البتہ جو براہِ عجب و کبر ہو وہ مذموم ہے۔"

اس آیہ کریمہ سے حضرت نے سلوک کی دو باتیں اخذ فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ دونوں نے کہا اللہ کریم کا شکر ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایماندار بندوں پر فضیلت دی اور نبوت عطا فرمائی۔ تو فرماتے ہیں اس میں یہ ہے کہ کاملین پر غلبہ فنا کے آثار ہمہ وقت نہیں رہتے۔ غلبہ فنا میں تو اپنی حیثیت یاد نہیں رہتی، عظمت الٰہی ہی یاد رہتی ہے، تو فرمایا یہ مستمر نہیں رہتے یعنی ہمہ وقت طاری نہیں رہتے۔ اگر ہمہ وقت طاری رہیں تو پھر آدمی مجذوب ہو جاتا ہے، اس کا دماغ ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ جن پر ہمہ وقت احساس فنا غالب ہوتا ہے ان کا دماغ ساتھ چھوڑ جاتا ہے، تو انبیاء تو کاملین ہوتے ہیں اور مجذوب ہو جانا نقص ہے، کمزوری ہے اور کوئی نبی مجذوب نہیں ہوا۔ تو آثار جو ہیں، حواس جو ہیں وہ آتے بھی ہیں بندہ عظمت الٰہی میں فنا بھی ہوتا ہے۔ ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے کہ اللہ کے سوا اسے کچھ یاد نہیں رہتا لیکن باہوش بھی رہتا ہے پھر ہوش میں بھی آجاتا ہے۔ اور کاملین کی یہ دلیل ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ کے احسانات کو اس کا احسان جتانے کے لئے بیان کرنا تکبر اور بڑائی نہیں ہے۔ اللہ جو نعمتیں دیتا ہے۔ کسی کو مقامات دیئے، مرتبہ دیا، احترام دیا، کسی کو دولت دی، اولاد دی تو نعمتیں بھی اللہ دیتا ہے ان کو اللہ کا احسان بیان کرنے کے لئے بیان کرنا یہ تکبر نہیں ہے، اور یہی باتیں اپنی بڑائی کے لئے بیان کرنا تکبر بن جاتا ہے۔ نیکی اور برائی میں یہ ایک ہلکا سا، لطیف سا فرق ہوتا ہے، ایک پردہ ہوتا ہے۔ ذرا ادھر ہو جائیں تو وہی باتیں جو نیکی کا سبب تھیں وہ برائی بن جاتی ہیں۔ اللہ نے ظاہری و باطنی علم سے نواز ہو۔ وہ اسے اللہ کا احسان مانے اور اس سے اللہ کی عظمت بیان کرے۔ حضور ﷺ کی عظمت بیان کرے تو یہ اچھی بات ہے، یہ تکبر نہیں ہے اور یہی باتیں اپنی ذات کی بڑائی کے لئے بیان کرے تو وہ تکبر کے زمرے میں آجاتا ہے۔

سلطنت اور کمال میں تنافی نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (النمل:16)

ترجمہ: اور ہم کو ہر قسم کی چیزیں دی گئی ہیں۔

"آیت سے معلوم ہوا کہ منتہی کے لئے مال و ملک میں اور کمال میں تنافی نہیں۔"

وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ہم کو بے پناہ چیزیں یعنی ہر چیز عطا کی گئی۔ حضرت فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کامل ولی اللہ ہو اور اس کے پاس مال و دولت بھی ہو تو یہ اس کے کمال کے منافی نہیں۔ کوئی یہ نہیں ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ ایسا ہوسکتا ہے۔ وہ قادر ہے وہ جو چاہے، جسے چاہے عطا کر دے۔

کاملین کو علم غیب نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (سورۃ النمل:18)

ترجمہ: تم کو سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں۔

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء واولیاء کو علم غیب نہیں۔''

حضرت سلیمان کا لشکر گزر رہا تھا، ایک وادی میں داخل ہونے والا تھا، تو اس وادی میں چیونٹیاں بہت تھیں، تو چیونٹیوں کی جو سردار تھی اس نے قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ دوسری چیونٹیوں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے بلوں میں چلی جاؤ کہ ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور ان کا لشکر تمہیں پاؤں تلے روند کے تباہ کر کے چلا جائے اور انہیں پتہ بھی نہ ہو کہ تم ماری گئی ہو۔ اب چیونٹیاں پاؤں کے نیچے آئیں گی تو کیا خبر ہوگی۔ تو وہ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چیونٹی تک کو معلوم ہے کہ علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ انبیاء کو علم غیب نہیں ہوتا۔ اگر اسے پتہ ہوتا کہ سلیمانؑ نبی ہیں اور اس کا یہ یقین ہوتا کہ نبی عالم الغیب ہیں تو وہ یہ نہ کہتی کہ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ انہیں محسوس بھی نہیں ہوگا اور تم ماری جاؤ گی۔ تو حضرت نے اس سے یہ عجیب نکتہ نکالا ہے کہ یہ تو چیونٹی کو بھی پتہ ہے کہ علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ اور اللہ کے نبیؑ صرف وہی کچھ جانتے ہیں جو اللہ بتا دیتا ہے۔ نبیؑ کو اطلاع من الغیب ہوتی ہے۔ اللہ غیب کی چیزوں سے مطلع فرما دیتے ہیں۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اطلاع عن الغیب پر بخل نہیں کرتے۔ اللہ کی مخلوق کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار غیب کی چیزیں بتائیں۔ سب سے بڑا غیب تو اس کی ذات ہے، پھر آخرت، فرشتے، آسمان، بالائے آسمان کی باتیں، جنت اور دوزخ کی باتیں، برزخ کی باتیں، حساب کتاب، روح کہاں سے آئی، کیسے بنی۔ اور تعلیمات نبوی ﷺ کا اثر دیکھیں کہ پندرہویں صدی آ گئی، جو کلمہ پڑھتا ہے، وہ گذر رہا ہے، ان پڑھ ہے، جاہل ہے آپ اس سے بھی پوچھیں تو اسے پتہ ہے کہ روح عالم امر سے ہے، مرنے کے بعد حساب کتاب ہے، برزخ ہے، قبر میں جواب دینا ہے، نیکی بدی کا حساب ہوگا۔ بھلائی پر انعام ملے گا۔ یہ سارے غیب ایک ان پڑھ بھی جانتا ہے۔ پندرہ سو سال بعد بھی تعلیمات نبوت کا یہ اثر ہے کہ انسانی قلوب میں رچ بس گئیں ہیں۔ اس سب کے باوجود انبیا علیہم السلام کے پاس اطلاع عن الغیب ہوتی ہے، انہیں غیب پر مطلع فرما دیا جاتا ہے۔ اور غیب کہتے ہیں جو بغیر کسی سبب بغیر کسی ذریعے کے ذاتی طور پر جانتا ہو، جس کے سامنے سے کوئی چیز غائب نہ ہو سکے اور یہ خاصہ اللہ کریم کا ہے اور حضرت فرماتے ہیں کہ یہ تو چیونٹی کو بھی پتہ تھا کہ کچلی جاؤ گی، نہ لشکر کو پتہ چلے گا نہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو، چونکہ غیب تو اللہ جانتا ہے اور رسولؐ تمہاری حالت سے واقف نہیں۔

عقل و معرفت کا جانوروں میں ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا (سورۃ النمل: 24)

ترجمہ: میں نے اس کو اس کی قوم کو دیکھا۔

''ہدہد کی یہ تقریر اس پر دال ہے کہ بہائم میں بقدر ضرورت عقل و معرفت موجود ہے۔''

ہدہد نے سلیمان علیہ السلام کو یہ اطلاع دی کہ میں نے ملکہ اور اس کی قوم کو دیکھا ہے وہ سورج کی پرستش کرتے ہیں، ان کے بارے پوری بات بتا دی۔ حضرت فرماتے ہیں ہدہد کی یہ تقریر اس پر دال ہے کہ بہائم میں بھی بقدر ضرورت عقل و معرفت موجود ہے یعنی یہ اس پر دلیل ہے کہ جانوروں کو بھی ان کی حیثیت کے مطابق اللہ نے اتنی عقل دی ہے کہ وہ بھی نیک و بد کو پہچانتے ہیں، وہ بھی حق و باطل کی تمیز اپنی حیثیت کے مطابق رکھتے ہیں۔ جیسے یہ ایک پرندہ تھا ایک جانور تھا، اس نے بھی دیکھ لیا کہ یہ غلط کر رہے ہیں کہ سورج کی پرستش کر رہے ہیں جبکہ عبادت کا حق صرف اللہ کو ہے، سجدہ صرف اللہ کو سزاوار ہے اور یہ جو سورج کو سجدہ کر رہے ہیں یہ غلط کر رہے ہیں۔

عشق کی آمد کے وقت قلب سے ارادات کا فنا ہو جانا:

قولہ تعالیٰ: اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا (سورۃ النمل: 34)

ترجمہ: کہ والیانِ ملک جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں۔

''اس پر قیاس کیا جاتا ہے کہ جب (بقیہ صفحہ نمبر 40 پر ملاحظہ کریں)

صقارہ ایجوکیشن سسٹم کا مرکزی ادارہ علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج

صقارہ سائنس کالج

SIQARAH

بزرگانِ دین کی سرپرستی بچوں کی سیکورٹی کا اعلیٰ انتظام صاف ستھرا ماحول

داخلہ 2017 برائے جماعت لوئر مڈل سے ایف ایس سی

نمایاں خصوصیات

سیلیکشن امیدوار کا تحریری امتحان، انٹرویو اور میڈیکل پاس کرنا لازم ہے

- جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کشادہ کیمپس
- فیس کم، معیار اعلیٰ، بھائیوں کیلئے فیس میں خصوصی رعایت اور میرٹ اسکالرشپ
- مستعد اور تجربہ کار اساتذہ
- نظم وضبط اور اسلامی شعائر کی پابندی
- کھیلوں کے وسیع وعریض میدان
- والدین کو sms کے ذریعے حاضری اور امتحانی نتائج کی فوری اطلاع

داخلہ جاری ہے

محکمہ تعلیم کے نامور ماہرین کے زیر نگرانی

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

صقارہ سائنس کالج دارالعرفان منارہ ڈاکخانہ نورپور ضلع چکوال

For more Info: www.Siqarahedu.com Ph: 0543-562222

اکرم التفاسیر

سورۃ صٓ، آیات 27 تا 40

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے ہیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ

اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا۔ یہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝٢٧

ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں، سو کافروں کے لئے بڑی خرابی دوزخ (کا عذاب) ہے۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي

تو کیا ہم ان لوگوں کو کہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان لوگوں کے برابر کردیں گے جو

الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝٢٨

ملک میں فساد کرتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کردیں گے ۝

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا

کتاب جو ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور

الْاَلْبَابِ ۝٢٩ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗ

کریں اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں ۝ اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو

اَوَّابٌ ۝٣٠ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ

سلیمان (علیہ السلام) عطا فرمائے بہت اچھے بندے (اور) یقیناً وہ رجوع والے تھے۔

الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝٣١ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ

جب شام کے قریب ان کے سامنے عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے میں نے مال کی

حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ

محبت کو اپنے پروردگار کے ذکر سے محبوب رکھا (ذکر سے غافل ہوگیا) یہاں تک کہ آفتاب

بِالْحِجَابِ ۝٣٢ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ

پردہ (مغرب) میں چھپ گیا۔ (پھر حکم دیا) ان (گھوڑوں) کو میرے پاس واپس لاؤ

وَالْاَعْنَاقِ ۝٣٣ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى

سو وہ ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنے لگے۔ اور یقیناً ہم نے سلیمان (علیہ السلام)

كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝٣٤ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا

کو (ایک اور طرح سے) آزمایا۔ اور ہم نے ان کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا پھر انہوں

يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝٣٥

نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا۔ دعا کی اے میرے پروردگار! میری مغفرت فرمایئے

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً

اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرمایئے کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو، بے شک آپ بڑے عطا

حَيْثُ اَصَابَ ۝٣٦ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝٣٧

فرمانے والے ہیں۔ سو ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا۔ جہاں وہ پہنچنا چاہتے ان کے حکم

وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝٣٨ هٰذَا

سے نرم نرم چلنے لگتی۔ اور جنات کو بھی، سب تعمیر کرنے والوں کو بھی، اور غوطہ خوروں کو بھی۔

عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝٣٩

اور دوسرے (جنات کو) بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے، یہ ہماری بخشش ہے

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝٤٠

پس کسی کو کچھ دیں یا نہ دیں آپ سے پرسش نہ ہوگی۔ اور بے شک ان کے لئے ہمارے ہاں (خاص) قرب اور نیک انجام ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ

(38:27) حکمرانو! تم کیا سمجھتے ہو، یہ زمین آسمان، یہ کائنات، یہ بادل، بارش، سورج، چاند، ستارے، رات دن، یہ مخلوق، طرح طرح کی خلقِ خدا، نباتات، جمادات، حیوانات، انسان یہ سارے اللہ نے

فضول ہی پیدا کر دیے؟ ایسے ہی تماشا لگا دیا؟ اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوگا؟ تم کیا سمجھتے ہو اس کا کوئی انجام نہیں ہوگا؟ ان کا کوئی والی وارث نہیں ہے۔ کوئی ان کے حقوق متعین کرنے والا اور ان کو پوچھنے والا نہیں ہے، کیا خیال ہے تمہارا؟ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ (38:27) جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں، انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ تو کافروں کا عقیدہ ہے کہ پیدا ہو گئے مر جائیں گے، بس قصہ ختم ہو گیا۔ یہ تو کفر ہے، اگر تم نے بھی سمجھ رکھا ہے تو یہ عقیدہ تو کافروں کا ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ (38:27) اور یاد رکھو! تباہی ہے کافروں کے لیے کہ انہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ کفر کوئی معمولی بات نہیں ہے، کفر وہ بوجھ ہے جو بندے کو دہکتی ہوئی جہنم میں لے جائے گا۔

جو لوگ اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہیں، اس کی عظمت کا اقرار کرتے ہیں، اس کے نبی ﷺ کا اتباع کرتے ہیں، تمام انبیاء علیہم السلام کا اپنے اپنے وقتوں میں جنہوں نے اتباع کیا، تمہارا کیا خیال ہے کہ جنہوں نے اتباع نبوت کیا وہ بھی اور جنہوں نے کفر کیا وہ بھی، ایک جیسے ہو جائیں گے؟ کہ سب مر گئے، ختم ہو گئے، ایسا نہیں ہوگا۔ جنہوں نے کفر کیا، انہیں دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ (38:28) تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ کافر اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور پیروی کی حضور ﷺ کی، اللہ کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کی، اتباع کیا، وہ اور کافر ایک جیسے ہو جائیں گے؟ تباہی کرنے والے فسادی اور اللہ کے نیک بندے برابر ہو جائیں گے؟ گناہ کی یہ تشریح قرآن نے بہت خوبصورت کی ہے۔ جو بندہ بھی کفر کرتا ہے یا جو بندہ بھی گناہ کرتا ہے، وہ صرف یہ نہیں کہ اس نے ایک گناہ کر لیا، اس کی ذات تک محدود ہے۔ نہیں! یہ پھیلتا ہے، پوری دنیا کو متاثر کرتا ہے اور اللہ کریم فرماتے ہیں یہ فساد فی الارض ہے، یہ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (30:41) سمندروں میں، خشکیوں میں تباہی آگئی، بربادی پھر گئی، طوفان آگئے، سیلاب آگئے، آگ لگ گئی، فرمایا: کس وجہ سے؟ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (30:41) لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے، چونکہ نیکی اور گناہ دونوں کا اثر آفاقی ہوتا ہے۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ نیکی کرتا ہے تو اس کی خوشبو بھی تمام مخلوق تک پہنچتی ہے، کائنات کے نظام میں جاتی ہے اور وہ نظام قائم رہتا ہے۔ گناہ کرتا ہے تو اس کی سیاہی اور اس کی ظلمت بھی سارے آفاق میں، سارے نظام میں جاتی ہے اور نظام تباہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ کی یہ شانِ کریمی ہے کہ جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں، وہاں اللہ اپنے نیک بندے بھی رکھتا ہے، وہ اس کو بیلنس (Balance) رکھتا ہے، کوئی چیز ایسی نہ ہو جائے کہ ہر شے تباہ ہو جائے۔ جب نیکی ختم ہو جائے گی، صرف گناہ رہ جائیں گے تو ساری کائنات تباہ ہو جائے گی، قیامت قائم ہو جائے گی۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں کسی نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حَتّٰى لَا يُقَالَ اَللّٰهُ اَللّٰهُ او کما قال رسول اللہ ﷺ (مسلم)۔ جب کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں ہوگا، قیامت قائم ہو جائے گی۔ تو یہ جو تباہیاں آرہی ہیں اور ہم کہتے ہیں دہشت گردی ہو گئی، اسے ایسے ختم کر دو، ویسے ختم کر دو۔ بھئی! ٹھیک ہے، دہشت گردوں کو مار دو، جیلوں میں ڈال دو، پکڑتے رہو لیکن جب تک انصاف نہیں کرو گے، ختم نہیں ہوگی۔ آپ دس مارو گے، بیس اور آجائیں گے۔ تو یہ تو چلتی رہے گی۔ ہاں! ختم کب ہوگی جب انصاف کرو گے، عدل کرو گے اور جزا و سزا ہوگی تب ختم ہو جائے گی۔ عدل سے ختم ہوگی۔ فرمایا: یہ نہ سمجھو کہ برے اور بھلے، نیک اور بدکار، مومن اور کافر سب ایک ہی لاٹھی سے ہانکے جائیں گے۔ نہیں! میدانِ آخرت میں اللہ کے بندوں کی بہت عزت، تکریم اور قربِ الٰہی نصیب ہوگا اور کفر کرنے والے اور گستاخ اور بدکار جہنم کا ایندھن بنیں گے، وہ بہت ذلیل ہوں گے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ (38:29) ہم نے تو آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی، اتنی عظیم کتاب، سبحان اللہ! جس نے کائنات کے سارے

رازوں سے پردہ اٹھادیا۔ اب یہ بندے کے نصیب میں ہے کہ وہ کتنی بات سمجھتا ہے، کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ (38:29) ہم نے جو کتاب آپ ﷺ پر نازل فرمائی ہے اس کے ساتھ کی بابرکت چیز، اللہ کی کائنات میں دوسری کوئی نہیں۔ بہت بابرکت کتاب ہے۔ لِّيَدَّبَّرُوْٓا (38:29) اس لیے اس پر غور کیا جائے، اس کو سمجھا جائے، اس کو پڑھا جائے، اس میں فکر کی جائے، اس میں سوچا جائے۔ یہ آیت ہے، اس کے الفاظ کیا ہیں، اس کا مفہوم نبی کریم ﷺ نے کیا فرمایا، اس کے سننے والوں نے اور نبی کریم ﷺ کے شاگردوں نے اس سے کیا سمجھا، انہوں نے اس پر کیسے عمل کیا، اس کا نتیجہ دنیا میں کیا ہوا، اس کا نتیجہ آخرت میں کیا ہوگا؟ یہ اس لیے ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ اسے ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر رکھ دو، یا جہاں کہیں جھوٹی قسم کھانی ہو تو وہاں لے جاؤ، یا کوئی مر رہا ہو تو اس کے سرہانے پڑھنا شروع کر دو۔ یہ زندگی کا نصاب ہے، یہ حقائق سے پردہ اٹھاتی ہے، مخلوق تو مخلوق، اس نے تجھے خالق سے آشنا کر دیا، مخلوق کی حقیقتیں تو بیان کی ہیں اس نے تو خالق کا تعارف تمہیں دے دیا اللہ کی ذات سے، اللہ کی معرفت دے دی، اللہ سے آشنا کر دیا۔ اس سے بڑی بات کیا ہوگی؟ یہ اس لیے ہے کہ اس پر فکر کرو، اس کی آیات میں غور کرو، ان میں سوچو، فکر کرو اور جو خوش نصیب ہیں وہ اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ دنیا میں ہر بندہ دانشور ہے، ہر بندہ اپنے آپ کو عقلمند سمجھتا ہے بلکہ ایک بڑی عجیب بات ہے جو جتنا بیوقوف ہوتا ہے، وہ خود کو اتنا عقلمند سمجھتا ہے۔ جو سب سے زیادہ بیوقوف ہوتا ہے وہ کہتا ہے، دنیا میں میرے جیسا سمجھدار ہے ہی کوئی نہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ فرمایا: کون عقلمند ہے؟ سب جھوٹ کہتے ہیں۔ عقلمند صرف وہ بندہ ہے جو قرآن پر غور کرے، اس کی آیات پر غور کرے اور اپنے نبی ﷺ کے ارشادات کو قرآن کی روشنی میں سمجھے اور اُسے اپنالے۔ یہ سب سے بڑی عقلمندی ہے، سب سے بڑا خزانہ اس نے لے لیا۔ پیسے لوٹ لیے، جمع کر لیے، کما لیے اور اولاد پال لی، فرمایا: یہ کام تو جن کے پاس خزانے نہیں وہ بھی کر رہے ہیں۔ ایک چڑیا بھی بچے پال رہی ہے، ایک گیدڑ بھی بچے پال رہا ہے، جہاں شیر بچے پال رہا ہے وہاں بھیڑ اور بکری بھی بچے پال رہے ہیں۔ یہ زندگی کا نظام ہے، روزی اللہ کی طرف سے ایک ہے، متعین نظام ہے۔ ہر متنفس جسے پیدا کرتا ہے اُسے روزی بھی پہنچا دیتا ہے اور ہر مرنے والا اپنا کوئی دانہ چھوڑ کر، کوئی قطرۂ آب چھوڑ کر نہیں مرتا۔ اپنے حصے کا رزق کھا کر مرتا ہے۔ کسی دوسرے کا کھا نہیں سکتا، چھوڑ کے مرجاتا ہے۔ یہ کوئی کمال نہیں۔ فرمایا: کمال یہ ہے، عقلمندی یہ ہے، دانش یہ ہے کہ اللہ کی اس کتاب کی عظمت کو سمجھو، جو رسول اللہ ﷺ سے وصول ہوئی۔ یہ اللہ کا ذاتی کلام ہے، ہم تک محمد رسول اللہ ﷺ کے لب ہائے مبارک سے پہنچا ہے، آپ ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے پہنچا ہے۔ ایک ایک لفظ کو بندہ رات دن چومتا رہے، پھر بھی حق ادا نہیں ہوتا۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو وحیٔ الٰہی ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے، عظمت ان کی اتنی ہے کہ رات دن چومتے رہیں حق ادا نہیں ہو سکتا۔ پھر انہیں سمجھا جائے، پھر انہیں جان سے پیارا بنایا جائے، پھر ان پر عمل کیا جائے۔ فرمایا: یہ تو عقلمندی ہے کہ اس دنیا میں رہ کر اس نے آخرت کما لی اور خرید لی، باقی سارا کھیل تماشا ہے۔ یہ جو دنیا جمع کر کے، پیسے لوٹ لوٹ کر محل بنا بنا کر سمجھتے ہیں کہ ہم عقلمند ہیں، یہ پیسہ بھی رہ جائے گا، محلات بھی رہ جائیں گے۔ قبر میں اعمال اور کردار جائیں گے۔ کہاں گئے جن کی بڑی بڑی سلطنتیں اور حکومتیں تھیں۔ آج بادشاہوں کی قبروں پر لوگ پکنک منانے جاتے ہیں اور لڑکے قبروں پر بیٹھے بوتلیں پی رہے ہوتے ہیں، تاش کھیل رہے ہوتے ہیں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ اور ہم نے داؤدؑ پر یہ مہربانی کی کہ انہیں سلیمانؑ جیسا بیٹا عطا کیا۔ وہ خود بھی نبیؑ تھے، جو بیٹا عطا فرمایا وہ بھی نبیؑ تھا۔ وہ خود بھی بادشاہ تھے، جو بیٹا عطا فرمایا وہ بھی شہنشاہ تھا، دنیا کا بہت بڑا حکمران۔ نورِ نبوت سے پیشانی روشن، چوڑا چکلا سینہ انواراتِ الٰہی کا مہبط، خوبصورت جسم، خوبصورت شکل، خوبصورت منور، نورانی روح، نبیؑ، نبیؑ کا بیٹا، وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ (38:30) ہم نے سلیمانؑ جیسا بیٹا داؤدؑ کو دیا۔

گویا نیک اولاد بھی اللہ کا انعام ہوتی ہے۔ اولاد کا نیک ہونا بھی

والدین کے لیے بڑی سعادت ہے اور یہ اللہ کا انعام ہوتی ہے۔ جو نافرمان اولاد ہوتی ہے وہ ہم والدین کے گناہوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اللہ کا انعام جو اولاد ہوتی ہے وہ نیک، صالح، باحیا، شریف ہوتی ہے اور جو نافرمان نکلتی ہے، وہ ہماری اپنی کوتاہیاں ہوتی ہیں، ہمارا رزق حلال نہیں ہوتا یا ہمارا کردار صحیح نہیں ہوتا یا ہم سے غلطیاں ہوتی ہیں، معافی نہیں مانگتے، توبہ نہیں کرتے۔ نیک اولاد ہونا بھی اللہ کے انعامات میں سے ہے۔ اللہ سب کی اولادوں کو نیک کرے۔

ہم نے داؤدؑ کو سلیمانؑ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ (38:30) کیا ہی اچھا بندہ تھا میرا۔ بات کا مزہ آ گیا، جس بندے کی اللہ تعریف کرے اب اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے۔ سبحان اللہ! فرمایا: اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ (38:30) وہ ہمیشہ اللہ کی طرف بڑھنے والے، رجوع کرنے والے، اللہ کی رضا چاہنے والے تھے۔ یہاں دو باتیں سمجھ آئی ہیں کہ نیکوں کی اولاد ہونا اور پھر نیک ہونا، نورٌ علیٰ نور ہے۔ یوں تو کافروں کے ہاں بھی اللہ مسلمان پیدا کر دیتا ہے، یہ بھی بڑی سعادت ہے۔ بدکاروں کے ہاں بھی نیک پیدا ہوجاتے ہیں، یہ بھی سعادت ہے لیکن خود نیک ہو اور اولاد بھی نیک ہو تو یہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ یہاں باپ بیٹا دو ہیں، داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ چار پشتوں میں، چاروں علیہم السلام بھی اللہ کے نبیؑ ہیں اور ابراہیمؑ بھی، یعنی نبیؑ ابنِ نبیؑ ابنِ نبیؑ ابنِ نبیؑ، چار پشتوں تک نبوت ہے۔

غیر انبیاء میں ابوبکر صدیقؓ اللہ کے وہ خوش نصیب بندے ہیں جن کی چار پشتوں میں صحبتِ رسول اللہ ﷺ ہے۔ کوئی اور ایسا صحابیؓ نہیں، جس کی چار پشتوں میں صحابیت ہو۔ انؓ کے والد صحابیؓ، خود صحابیؓ، اولاد صحابیؓ، اولاد کی اولاد صحابیؓ، تو یہ اللہ کی عطا ہے جسے عطا فرمادے۔ فرمایا: ہم نے داؤد علیہ السلام کو خوبصورت، کیا پیارا، کیا نورانی، کیا مقربِ الٰہی بیٹا دیا سلیمان علیہ السلام جیسا۔ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ (38:30) کیا بندہ تھا میرا، کتنا پیارا بندہ تھا، اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ انؑ کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ کی رضا کا طالب تھا۔

حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکرِ خیر چل رہا ہے۔ آپ علیہ السلام کے پاس بہت بڑی سلطنت تھی اور آپ کے والدِ گرامی کی ریاست تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت و ریاست تھی اور بڑی مضبوط ریاست تھی۔ فرمایا اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ دن ڈھلے، شام کے قریب، شاہی اصطبل کے چُنے ہوئے گھوڑے معائنہ کرنے کے لیے آپؑ کے سامنے پیش کئے گئے۔ اُس میں کچھ دیر لگ گئی۔ ایک ایک گھوڑے کا ملاحظہ فرماتے رہے، سورج غروب ہوگیا۔ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ (38:32) آپؑ نے فرمایا کہ اس مال اور اس کے حسن اور اِس کی خوبصورتی نے مجھے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس قدر بیگانہ کر دیا کہ میں اتنی دیر سے انہی گھوڑوں کو دیکھ رہا ہوں اور معمولات چھوٹ گئے۔ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ (38:32)۔۔۔

"خیر" سرمائے کو، مال و دولت کو کہتے ہیں۔ میں اپنا سرمایہ دیکھتا رہا، یہ میرا مال تھا۔ میں گھوڑوں کی خوبصورتی اور صحت اور قد کاٹھ دیکھتا رہا اور اتنی دیر ہوئی کہ سورج غروب ہوگیا۔ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ تو آپؑ نے دوبارہ طلب فرمالئے اور اُن کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کئے، فرمایا سب اللہ کی راہ میں قربان کردو۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا نہ صرف قلبِ اطہر بلکہ وجودِ اطہر بھی ذاکر ہوتا ہے اور جو چیز نبی علیہ السلام کے وجود سے مَس کر جائے وہ بھی ذاکر ہوتی ہے۔ انبیاءؑ کی شان ہوتی ہے کہ اُن کا لباس، اُن کے نعلین مبارک، ہر چیز ذاکر ہوتی ہے۔ کوئی لاٹھی ہاتھ میں رکھتے ہیں یا کوئی چیز جو اُن کے بدن سے مَس کرتی ہے وہ ذاکر ہوجاتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ ناقہ پر سوار تھے، حضرت معاویہؓ اُن کے ردیف تھے، حضور ﷺ کے پیچھے بیٹھے تھے۔ وہؓ چونکہ ذرا بھاری جسم کے تھے تو پیچھے ہٹ کر بیٹھے تھے کہ حضور ﷺ کو تکلیف نہ ہو۔ آپ ﷺ نے پیچھے ہاتھ کر کے، کھینچ کر انہیں ساتھ لگا یا اور فرمایا: میرے ساتھ مَس ہوتے رہو، جو چیز میرے بدن سے مَس ہوجاتی ہے اُس پر دوزخ حرام ہوجاتی ہے۔

یہ نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کوئی ذکر چھوٹ گیا تھا۔

اللہ کے نبیؑ تھے، ذرّہ ذرّہ وجود کا ذاکر تھا، ذاکر گر تھا لیکن توجہ تو گھوڑوں کی طرف رہی نا! آپؑ کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ اتنی دیر میں مال و دولت، جو دنیا کا حسن ہے اِس میں کھو گیا۔ آپؑ نے سارے گھوڑے اللہ کی راہ میں ذبح کر کے قربان کر دیئے۔ یہاں علمائے حق فرماتے ہیں کہ ذکر میں، معمولات میں، کبھی سُستی ہو جائے تو کوئی چیز صدقہ کی جائے خیرات کی جائے۔ اُس کا کفارہ دیا جائے تو بہت اچھی بات ہے۔ ہمارے ہاں تو معمولات کا چھوٹ جانا عام بات سمجھی جاتی ہے۔ کہتے ہیں آج فرصت نہیں ملی، نہ سہی، لیکن حق یہ ہے کہ آپ کے جو ذکر اذکار کے معمولات ہیں اگر وہ چھوٹ جائیں تو مستحسن یہ ہے کہ صدقہ دیں، اللہ کریم سے معافی چاہیں اور آئندہ چھوٹنے نہ دیں۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ﴿﴾ (38:34) تو ہم نے سلیمان علیہ السلام پر ایک آزمائش ڈال دی۔ دیکھیں کبھی یوں بھی ہوتا ہے۔ انہیں خود بھی احساس ہو گیا، پھر انہوں نے کفارہ بھی دیا اور تمام گھوڑے قربان بھی کر دیئے لیکن پھر بھی فرمایا، آزمائش آ گئی۔ تو معمولات چھوڑنا۔۔۔ فرض نماز تو فرض ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ فرض چھوڑنا تو دور کی بات ہے، آپ جو معمولات بنا لیتے ہیں، کوئی شخص تلاوت کرتا ہے دس دس پارے لوگ روزانہ پڑھتے ہیں ذکر اذکار کرتے ہیں، صبح و شام اُس پہ اتنا اتنا وقت لگاتے ہیں جب وہ چھوٹتے ہیں تو وہ چونکہ فرض نہیں ہیں اس لیے گناہ تو کوئی نہیں۔ فرض کے چھوڑنے میں گناہ ہے جو چیز فرض عبادت نہیں ہے چھوٹ جائے تو گناہ تو کوئی نہیں لیکن دنیا کی آزمائش آ جاتی ہے، مصیبت آ جاتی ہے۔ یہاں آپؑ سے جو ذکر چھوٹا وہ نفلی ذکر تھا، یہ تو نہیں کہ کوئی آپ کی نمازیں خدانخواستہ قضا ہو گئی تھیں۔ ایسا نہیں تھا۔ نفلی ذکر مؤخر ہو گیا اور سارا وقت گھوڑوں میں ہی لگے رہے متوجہ الی اللہ نہیں ہوئے، یہ بات ہوئی تو اُس کا کفارہ آپؑ نے صدقہ بھی دیا۔ سارے گھوڑے اللہ کی راہ میں قربان کر دیئے۔ اس کے باوجود، فرمایا: وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ (38:34) ہم نے سلیمان علیہ السّلام پر آزمائش بھیج دی۔ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا (38:34) ایک بیکار، نکمے سے

آدمی کو اُن کا تخت عطا کر دیا۔ اِس کی تفسیر قرآن پاک نے نہیں بتائی کہ کیا ہوا؟ حدیث شریف میں اِس کی تفصیل آقائے نامدار ﷺ نے نہیں بتائی۔ لہٰذا جتنی کہانیاں اس زمرے میں ملتی ہیں وہ بہت تو یہودیوں کی ہیں، کچھ لوگوں کی گھڑی ہوئی ہیں، کوئی حقیقی تعبیر نہیں ملتی، صرف اتنا ملتا ہے کہ آپؑ کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا۔ کسی نا اہل آدمی کو یعنی جو بندہ جس کام کی اہلیت نہیں رکھتا اُس کے لیے وہ بیکار ہے۔ تو فرمایا، آپؑ کی آزمائش کے لیے ہم نے ایک نکمے، بیکار آدمی کو جو یہ اہلیت نہیں رکھتا تھا آپؑ کی سلطنت عطا کر دی۔ آپؑ کے تخت پر بٹھا دیا۔ ثُمَّ اَنَابَ﴿﴾ (38:34) آپؑ نے پھر بہت بڑی توبہ کی، پھر رجوع الی اللہ کیا، پھر توبہ کی، پھر اللہ کریم سے معافی چاہی اور اللہ کریم نے وہ آزمائش ختم کر دی۔ کسی طرح بھی گیا، وہ بندہ ٹل گیا۔ آپؑ کی حکومت آپؑ کو واپس مل گئی۔ اب یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ ایک بہت بڑی سلطنت و ریاست، یکبارگی ہاتھ سے نکل جائے اور کوئی بیکار، نکما سا بندہ وہاں سلطان بن کے بیٹھ جائے۔ یہ بہت بڑی آزمائش تھی تو اُس کا حل انہوں نے کیا کیا؟ ثُمَّ اَنَابَ﴿﴾ (38:34) آہ وزاری کی بارگاہِ الٰہی میں، اور اقرار کیا کہ یہ مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا جو ہو گیا۔ حالانکہ وہ ساری عبادات نفلی تھیں، ذکر اذکار نفلی تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ نفلی اذکار جو نصیب ہوتے ہیں، اُن کی اپنی اہمیت ہے اور اگر چھوٹ جائیں تو دنیوی مصیبتیں ضروری آتی ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے پھر دعا کی، قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ (38:35) یا اللہ مجھے بخش دے۔ گناہ نہیں تھا، ترکِ اولیٰ تھا لیکن پھر بھی انہوں نے بخشش چاہی کہ اے اللہ! یہ معاف فرما دے۔ پھر دعا کی وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ (38:35) مجھے ایسی سلطنت، ایسی بادشاہی، ایسی ریاست دے کہ جو میرے بعد کسی کے شایانِ شان نہ ہو۔ پھر کسی کو نصیب نہ ہو، پھر ایسی بادشاہت کسی کو نہ ملے۔ بیشک آپ بہت بڑے عطا کرنے والے ہیں، کوئی آپ کی مثل نہیں، کوئی آپ کی مثال نہیں۔ آپ جو چاہیں عطا فرما دیں۔ مجھے ایسی حکومت و سلطنت، ایسی ریاست عطا کر دیں کہ پھر دنیا میں میرے بعد کوئی اُس کا تصور بھی نہ کر سکے۔ رب کریم فرماتے

ہیں ہم نے قبول فرمائی۔ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ (38:36) ہم نے آپؑ کو جن وانس، درندے پرندے، حیوانات اور اُس کے ساتھ ہواؤں پر بھی حکومت دے دی۔ ہوا بھی اُن کے لیے مسخر کر دی جو اُن کے حکم سے چلتی تھی، تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ (38:36) اور نہ صرف چلتی تھی، انہیں جہاں جانا ہوتا تھا وہاں اُنہیں اُٹھا کے لے جاتی تھی۔ یہ ہوائی جہاز کا تصور ہے، یہ بھی وہاں سے ملتا ہے۔ اُن کے اڑ کر سفر کرنے کے لیے، کوئی بڑی سی شے تھی، اُسے آپ ہوائی جہاز کہیں یا اُڑن کھٹولا کہیں یا کوئی نام رکھ لیں کہ وہ اپنے اہلِ دربار اور لاؤ لشکر سمیت اُس پر سوار ہو جاتے اور ہوا کو حکم دیتے، ہوا اُٹھا کے لے جاتی۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ وہ مہینے بھر کی راہ ایک صبح میں طے کر لیتے تھے اور مہینہ بھر کی مسافت ایک شام میں طے ہو جاتی تھی۔ اسی تصور کی آج مختلف صورتیں ہیں اور آج بھی جو ہوائی جہاز اُڑ رہا ہے اُسے صرف ہوا ہی اُڑاتی ہے۔ ہوائی جہاز کے انجن کا صرف ایک کام ہے کہ آگے سے ہوا وصول کرتا ہے اور اُسے بڑی تیزی سے پیچھے چھوڑتا ہے۔ وہی ہوا جہاز کو اُڑائے پھرتی ہے۔ فرمایا، اُن کے پاس کوئی انجن، مشین نہیں تھی، ہوا کو حکم دیتے تھے تو وہ اُن کے تخت کو اُٹھا لیتی تھی اور لاؤ لشکر سمیت جہاں حکم دیتے تھے، پہنچا دیتی تھی، فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ (38:36) ہم نے ہوا کو اُن کے تابع کر دیا، تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ (38:36) اور جو اُن کے حکم سے چلتی تھی۔ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ (38:36) جہاں وہ چاہتے، وہاں وہ پہنچا دیتی۔

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ (38:37) اور ہم نے بڑے بڑے جنات، سرکش جنات کو بھی اُن کے تابع کر دیا۔ اُن میں کچھ ایسے تھے جو محل تعمیر کرتے تھے، جو سمندروں میں غوطے لگا کر جواہرات اور موتی نکال لاتے تھے۔ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ (38:38) اور ایسے بھی تھے جنہیں حضرت سلیمان علیہ السلام زنجیریں پہنا کر قید کر دیتے تھے۔ انسانوں پر تو آپ کی ریاست تھی ہی، حیوانات پر بھی اللہ نے عطا کر دی، ہوا پر بھی عطا کر دی، نباتات پر بھی عطا کر دی، جنات پر بھی عطا کر دی۔ اب اللہ کے نبیؑ ہیں اور حکمران بھی ہیں، شہنشاہ بھی ہیں۔ بہت بڑی ریاست بھی ہے۔ جنات کو اللہ نے اُن کے تابع کر دیا لیکن پھر بھی سرکشی کرتے، اور یہ جو ایرا غیرا ہر کوئی دعویٰ کیے پھرتا ہے کہ جن میرے تابع ہیں یہ کس کھیت کی مولی ہیں؟ یعنی اندازہ کریں، قرآن کریم بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن آپؑ کے تابع کر دیئے۔ اس کے باوجود وہ اُن سے سرکشی کرتے تھے حتیٰ کہ وہ انہیں زنجیروں میں جکڑ کر قید خانے میں ڈال دیتے تھے۔ یہ جو ٹکے ٹکے کے لوگ اور روپیہ روپیہ مانگ کر اور رات دن گدا کر کے بسر کرتے ہیں، یہ کیسے جنوں کو قابو کیے بیٹھے ہیں؟ یہ سارے خرافات ہیں، بکواس ہیں۔ کوئی جن وغیرہ ان سے قابو نہیں ہوتے، شیطان ان کے ساتھ لگ جاتے ہیں، جنہیں یہ عامل کہتے ہیں۔ عامل کون سی مخلوق ہے بھئی؟ انسان مخلوق ہے، جن مخلوق ہے، فرشتہ مخلوق ہے۔ یہ عامل نام کی مخلوق کا نہ قرآن میں، نہ حدیث میں کوئی ذکر ہے۔ یہ عامل سارے کے سارے شیطان ہوتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں ہم نے جن قابو کیا ہے جبکہ شیطان سمجھتا ہے کہ ایک بندہ قابو آ گیا ہے۔ اب اِس کے کہنے پہ کوئی چھوٹے موٹے شعبدے کر دو تا کہ اسے ہتھیار بنا کر لوگوں کو گمراہ کیا جائے۔ آپ کسی عامل سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اُس کے پاس جانے والے نے ہدایت پائی؟ کبھی نہیں۔ اگر ہدایت پر بھی تھا، مگر عامل کے پاس گیا گمراہ ہو جائے گا، بدعات میں چلا جائے گا، گناہوں میں چلا جائے گا، گمراہی میں چلا جائے گا۔ تو یہ سارے شیطانی تماشے ہیں۔ دراصل لوگوں کو عظمتِ الٰہی کا احساس نہیں رہا۔ یہ اندازہ نہیں رہا کہ اللہ کتنا بڑا ہے اور اس کی قدرت کتنی کامل ہے اور اُس کی ہر چیز پہ گرفت کتنی ہے۔ بڑے آرام سے کہہ دیا جاتا ہے کہ میری تو نوکری کسی نے بند کر دی، تین سال ہوئے اولاد نہیں ہوئی کسی نے بند کر دی ہے۔ او خدا کے بندے! جس روح کو اللہ نے پیدا کرنا ہے اُسے روکے گا کون؟ اور جس کو اُس نے پیدا نہیں کرنا اُسے لائے گا کون؟ یہ نہ کسی سے بند ہوتی ہے نہ کھلتی ہے۔ ہر متنفس کا ازل سے فیصلہ ہو چکا ہے۔ کون دنیا پہ جائے گا، کتنا عرصہ رہے گا؟ کیسا ہو گا؟ اچھا بُرا، چھوٹا بڑا، خوبصورت بدصورت، عقلمند یا بے وقوف کیا ہو گا؟ نبی کریم ﷺ کا

ارشاد ہے کہ قلم خشک ہو چکے ہیں، سب فیصلے اللہ کے پروگرام کے مطابق چلتے رہتے ہیں۔ ہاں! بندے کے پاس ہے، دعا کرے نیک اولاد کے لیے۔ اُسی اللہ سے درخواست کرے، اولاد ہوگی، نہ ہوگی، مانگنے کا جو اجر ہے وہ تو ملے گا۔ دعا ایک درخواست ہوتی ہے۔ یہ بھی لوگوں کو شکایت ہوتی ہے، جی! میں نے اتنا عرصہ دعا مانگی، قبول نہیں ہوئی۔ دعا تھی یا حکم تھا۔ جو تم نے دیا وہ حکم تھا کہ اُس کی تعمیل ہونی چاہیے۔ دعا تو ایک درخواست ہوتی ہے، یہ مالک کی مرضی وہ سن لے۔ لیکن وہ کوئی دعا رد نہیں فرماتا، ہر دعا قبول کرتا ہے۔ کبھی جو ہم مانگ رہے ہوتے ہیں ویسا ہی ہوجاتا ہے لیکن اُس میں کوئی وقفہ آجاتا ہے، کچھ دیر ہوجاتی ہے۔ کبھی جو ہم مانگ رہے ہیں اُس کے بدلے اُس سے بہتر چیز دے دی جاتی ہے، نہیں تو آخرت کے لیے اللہ کریم رکھ لیتے ہیں۔ میدانِ حشر میں اس کا بدلہ اس کو دیں گے، ضائع نہیں ہوتی۔ دعا کریں، علاج کریں، دوائی لیں کوئی حرج نہیں ہے۔ بدن میں کوئی بیماری آگئی ہے تو اس کی اصلاح کے لئے دوائی لیں، لیکن یہ وہم کرنا کہ فلاں نے بند کردیا، فلاں نے روک دیا، فلاں عورت نے رکوادیا۔ فلاں بھابی نے۔۔۔۔ اور یہ ساری فضول باتیں ہیں۔ اللہ کریم نے جن سلیمان علیہ السلام کے تابع کردیئے۔ اللہ کریم ہی بتا رہے ہیں کہ اس کے باوجود جنات آپؑ کی بھی نافرمانی کرنے سے باز نہیں آتے تھے اور آپؑ انہیں زنجیروں میں جکڑ کر قید کردیتے تھے۔

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴿۳۹﴾ (38:39) فرمایا، یہ ہماری عطا ہے۔ یہ ہماری بخشش ہے۔ ہم نے اتنا وسیع ملک اور اتنے اختیارات آپؑ کو عطا کردیئے، اب آگے اِن چیزوں کو بندوں تک پہنچانا ہم نے آپ پر موقوف کردیا۔ میری مخلوق میں لوگوں کو انصاف پہنچائیں، اُن کے حقوق پہنچائیں، یہ اب آپ کے اختیار میں ہے۔ اب یہ آپ سے پوچھا جائے گا کہ وہ آپ نے کس طرح پہنچائے۔ حق ادا کیا یا نہیں کیا۔ حکومت تو واقعی اللہ کا احسان ہوتی ہے اگر اللہ کے قرب کے لیے، اللہ کی اطاعت کے لیے اور اللہ کے دین کے نفاذ کے لیے ہو۔ پھر وہ اللہ کی امانت بھی ہوتی ہے، اللہ کا انعام بھی ہوتی ہے اور اس کے لیے کوشش بھی کرنی چاہیے۔ اس کا حق ادا کرنا چاہیے کہ چیزیں آکر حکمرانوں کے ہاتھ میں اٹک جاتی ہیں، مخلوق تک پہنچانا اُن کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ پھر کتنی دیانت اور امانت سے لوگوں کے حقوق اُن تک پہنچاتے ہیں۔ یہ سمجھ لینا کہ مجھے حکومت مل گئی اور اب اتنے لوگ میرے غلام ہوگئے، اب میں جو چاہوں ان کے ساتھ کروں، انہیں کچھ دوں یا نہ دوں، یہ صحیح سوچ نہیں ہے۔ اس کا انجام بہت برا ہوگا۔ یہ اُس وقت پتا چلے گا جب کروڑوں لوگ میدانِ حشر میں دامن پکڑ کر کھڑے ہوں گے کہ میرا حق بھی نہیں دیا، میرا بھی نہیں دیا۔ میرے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔ میرے بچوں کے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔ پتا تب چلے گا۔ وہی بات یہاں ہورہی ہے۔ هٰذَا عَطَآؤُنَا (38:39) یہ ہماری عطا ہے ہم نے آپ کو اختیارات دے دیئے، حکومت دے دی، سلطنت دے دی، وسائل یہ آپ کو اختیارات حاصل ہیں، اسباب آپ کے قبضے میں ہیں۔ فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴿۳۹﴾ (38:39) اب آپ کتنا کس کو دیتے ہیں، کتنا نہیں دیتے؟ اب یہ آپ کے اختیار میں ہے۔ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴿۴۰﴾ (38:40) اور فرمایا، وہ تو میرے نبیؑ تھے صرف بادشاہ نہیں تھے۔ ہم نے بیشمار نعمتیں آپؑ کے قبضے میں دے دیں اور فرمایا: میرے اور میرے بندوں کے درمیان اب وسیلہ آپؑ آگئے ہیں۔ میری نعمتیں اب آپؑ کے قبضہ میں ہیں۔ آپؑ انہیں اِن کے مستحقین تک کیسے پہنچاتے ہیں یہ آپؑ کی ذمہ داری ہے۔ پھر فرمایا وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴿۴۰﴾ (38:40) فرمایا، بیشک اُن کے لیے ہمارے پاس ایک خاص مقامِ قُرب اور بہت خوبصورت انجام ہے۔ اللہ کے نبیؑ ہیں۔ پوری دیانت سے، پوری امانت سے مخلوق میں سے ایک ایک فرد کا حق اُس تک پہنچائیں گے، اُس پر بخشش کریں گے۔ عطا کریں گے، حق سے زیادہ دیں گے، کسی کے حق میں کمی نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ آپؑ کا مقام قربِ الٰہی ہے۔ واصل باللہ ہیں اور نیک انجام ہے ان کا وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴿۴۰﴾ (38:40)۔

❁❁❁

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مد ظلہ العالی

سوال:

حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ عارف وہ شخص ہے کہ جس کا نورِ معرفت اس کے نورِ ورع کو نہ بجھا دے۔ نورِ معرفت نورِ ورع کو کیسے بجھا سکتا ہے؟ کیا نورِ معرفت بذاتِ خود نورِ ورع کا باعث نہیں؟

جواب:

گزارش یہ ہے کہ صوفیاء کے ساتھ ایک بہت بڑی زیادتی یہ ہوئی ہے کہ ان کے حالات وواقعات جن لوگوں نے لکھے ہیں وہ خود تصوّف سے آشنا نہیں۔ یہ جتنی کرامات، جتنے ارشادات اور جتنے واقعات لکھنے والے جو لوگ ہیں وہ نہ صوفی ہیں نہ تصوّف کو سمجھتے ہیں۔ جنہیں صوفیاء کمزوری سمجھا کرتے تھے ان لوگوں نے انہیں کرامت لکھ دیا ہے اور جنہیں کرامت سمجھا جانا چاہیے تھا وہ انہوں نے نہیں لکھا کیونکہ ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اور اس بات کی بھی کوئی سند نہیں ہے کہ فلاں صوفی کا یہ ارشاد ہے، جیسے یہاں بھی اس کی کوئی سند نہیں ہے کہ انہوں نے یہ کہا بھی ہے کہ نہیں کہا۔ تو اگر الفاظ پہ بحث کی جائے تو نورِ ورع یہ ہے کہ جو کام جتنے خلوص سے حضور ﷺ کی اطاعت میں آپ کریں گے اس سے نور پیدا ہوگا، جتنی کوئی نافرمانی کرے گا اتنی ظلمت پیدا ہوگی۔ اب اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ وہ ظلمت یا نور نہ صرف اس بندے کو متاثر کرتا ہے بلکہ اس کے متعلقین کو متاثر کرتا ہے، پھر ماحول میں پھیلتا ہے حتیٰ کہ پوری کائنات میں اس کا اثر جاتا ہے۔ جیسے ایک تالاب میں کنکری پھینکیں تو دائرے بننے شروع ہوتے ہیں وہ دوسرے سرے تک جاتے ہیں۔ تو اللہ کریم کا نظام ایسا ہے کہ کائنات میں نہ صرف ظلمت رہتی ہے، نہ صرف نور رہتا ہے بلکہ جتنی ظلمت پیدا ہوتی ہے اس کو دور کرنے کے لیے اللہ کریم اپنے ایسے بندے بھی پیدا کر دیتا ہے کہ اتنا نور بھی پیدا ہوتا رہتا ہے، اور بیلنس رہتا ہے تب یہ چلتی ہے۔ اب نورِ ورع؟ تو کردار کی وجہ سے جو نور پیدا ہوتا ہے، وہ ہے۔ نورِ معرفت یہ ہے کہ ذاتِ باری کی جتنی معرفت نصیب ہو اس کی عظمت کا جتنا ادراک ہو جائے، اس کی عظمت کا جتنا احساس ہو جائے جتنا یقین ہو جائے کہ میں مخلوق ہوں اور میرا خالق ہے، میں مربوب ہوں وہ میرا ربّ ہے، میرے وجود کے ایک ایک ذرّے کا نظام اس کے دستِ قدرت میں ہے۔ اس نے مجھے عمل کا موقع دیا ہے، آزادی دی ہے، انتخاب کرنے کا حق دیا ہے کہ میں اس کے نبی ﷺ کا اتباع اختیار کرتا ہوں یا نافرمانی اختیار کرتا ہوں۔ اب معرفت یہ ہے کہ اسے یقین ہو جائے کہ مجھے اللہ کے روبرو پیش ہونا ہے، حساب دینا ہے، میں نافرمانی نہ کروں۔ عدمِ معرفت یہ ہے کہ اسے یہ احساس ادراک ہی نہ ہو اور جو جی میں آئے کرتا رہے۔ تو نورِ ورع جو ہے یہ نورِ معرفت کے پیدا ہونے کا سبب ہے اور جب نورِ معرفت پیدا ہوتا ہے تو وہ پھر نورِ ورع کو مزید تقویت دیتا ہے۔ یہ بالکل ایسا نظام ہے جیسے ایک گٹھلی آپ زمین میں بوتے ہیں اس سے پودا نکلتا ہے، وہ درخت بن جاتا ہے، اس پر پھل لگتا ہے اور پھلوں میں پھر وہی بیج ہوتا ہے۔ اب کوئی نہیں یہ جان سکتا کہ بیج درخت کا سبب ہے یا درخت بیجوں کا سبب ہے۔ ایک بیج زمین میں بویا وہ درخت بن گیا، اس پر سینکڑوں ہزاروں بیج آ گئے۔ اب کون یہ فیصلہ کرے کہ وہ درخت بیجوں کا سبب ہے یا بیج درخت کا سبب ہے۔ یہی حال معرفت اور ورع وتقویٰ کا ہے، تقویٰ معرفت کا سبب ہے یا معرفت تقویٰ کا سبب ہے۔

بنیادی طور پر انسان تقویٰ کیوں اختیار کرتا ہے؟ ایمان لاتا ہے

نبی ﷺ پر، نبی ﷺ کے ارشادات سے اللہ پر ایمان لاتا ہے، اس کی عظمت پر ایمان لاتا ہے، اسے حساب کتاب کا اندیشہ ہوتا ہے تو پھر وہ نیکی کرتا ہے۔ اب یہ یقین اللہ کی عظمت کا، اس کی توحید کا، اس کے رازق، مالک، خالق ہونے کا، اس کے پاس واپس جانے کا، وہاں حساب کتاب دینے کا، یہ معرفت کہلائے گا۔ اگر یہ نہ ہو تو تقویٰ کہاں سے آئے گا اور تقویٰ نہیں ہوگا تو معرفت کیسے نصیب ہوگی؟ اب اس میں فیصلہ کون کرے کہ تقویٰ معرفت کا سبب ہے یا معرفت تقویٰ کا سبب ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے اس طرح متعلق ہیں جس طرح بیج اور درخت کا تعلق ہوتا ہے۔ یہ کہہ دینا کہ نورِ معرفت نورِ ورع کو بجھا دے یہ عجیب سی بات ہے اور یہ ان لوگوں کی بات ہے جو بعد میں کتابیں لکھتے رہے۔ ان حقائق سے آگاہ ہی نہیں ہیں، ان چیزوں کو سمجھتے ہی نہیں ہیں، ان کی ان تحریروں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بلکہ اکثر واقعات جو اہل اللہ کے ان لوگوں نے لکھے ہیں ان میں بیشمار خرافات ہیں اور بیشمار فضول باتیں ہیں۔ خلافِ شریعت واقعات ہیں اور انہوں نے انہیں کرامت بنا کر لکھا ہوا ہے۔

سوال:

کشف انعاماتِ باری میں سے ہے پھر انعام باعثِ خطرہ کیوں ہوتا ہے؟

جواب:

سوال تو آپ کا ٹھیک ہے لیکن انعامات ہی باعث خطرہ ہوا کرتے ہیں۔ دنیوی اعتبار سے آپ دیکھ لیں ایک عام آدمی کو وزیر اعظم سے یا حکومت سے وہ خطرہ نہیں جو ایک وزیر کو ہے۔ وزارت تو بہت بڑا انعام ہے لیکن شاید وزیر کے منہ سے نکلا ہوا کوئی ایک جملہ اس کی وزارت ہی ڈبو دے۔ ایک عام آدمی کچھ کہتا ہے تو اس کا کیا بگڑے گا؟ اسے کوئی کیا کرے گا؟ تو انعام ہی خطرے کا باعث بنا کرتا ہے۔ دولت، اقتدار، عہدہ اللہ کا انعام ہے لیکن کیا دولت یا عہدہ کے ساتھ خطرات نہیں ہیں؟ سارے خطرات ہی ان کے ساتھ ہیں۔ ایک آدمی غریب ہے۔ وہ ہزاروں گناہوں سے اس لیے بچ جاتا ہے کہ اس کے پاس گناہ کرنے کی استطاعت ہی نہیں ہوتی۔ امیر ہو تو وہ دھڑلے سے کرتا ہے۔ تو وہ تھا تو انعام لیکن خطرے کا باعث بن گیا۔ کشف میں جو خطرہ ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وحیٔ الٰہی ہوتا ہے بلکہ نبیؑ کا خواب بھی وحیٔ الٰہی ہوتا ہے۔ علمائے ربانی جو تصوف اور اس فن کے ماہر ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جو کشف اور مشاہدہ نبی ﷺ کو ہوتا ہے وہ سراسر حق ہے، وحیٔ الٰہی ہے۔ جو کشف نبیؑ کی اطاعت کر کے، نبیؑ کا اتباع خلوصِ دل سے کر کے ولی کو نصیب ہوتا ہے۔ اس کا کشف غلط نہیں ہوتا، سمجھنے میں اسے غلطی لگ سکتی ہے۔

باقی عوام الناس ہیں۔ ہم میں کمزوریاں ہیں۔ ہم ظاہری آنکھ سے بھی دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں وہاں اونٹ کھڑا ہے۔ قریب جاتے ہیں تو وہ جھاڑی ہوتی ہے۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کسی بندے کو ہم پکڑ لیتے ہیں، بھئی بات سنو۔ جب وہ پلٹ کر دیکھتا ہے تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ ہم کسی اور کی غلط فہمی میں تھے۔ وہ بندہ کوئی اور ہوتا ہے، پھر معذرت کرتے ہیں کہ بھئی میں بھول گیا۔ تو جس طرح ہماری ظاہری نگاہوں کو دھوکے لگتے ہیں، نبیؑ ان دھوکوں سے محفوظ ہوتا ہے۔ ولی کو یہ دھوکے لگ سکتے ہیں لہٰذا ولی کے کشف کا معیار یہ ہے کہ جو چیز اسے کشف میں نظر آئے وہ نبی ﷺ کے ارشادات کے دائرے کے اندر ہو تو درست ہے۔ اگر نبی ﷺ کی بات سے ٹکراتی ہے تو نبی ﷺ کی بات حق ہے، اسے کشف میں دھوکا لگا ہے۔ ایک بات تو یہ ہوگئی، دوسری بات ولی کے کشف میں یہ ہے کہ کوئی کتنا بھی بڑا صاحب کشف ہو اور اللہ اسے عجائب وغرائب دکھا دے تو وہ اپنے کشف کا خود مکلف ہے کہ اس پر عمل کرے۔ یعنی وہ کشف شریعت کے مطابق بھی ہو، صحیح بھی ہو تو صاحب کشف اس پر عمل کرے۔ کوئی بھی دوسرا شخص اس پر عمل کرنے کا مکلف نہیں، کیونکہ وہ کشف نبی ﷺ کا ہے جس پر ساری اُمت کو عمل کرنا پڑتا ہے۔ نبی ﷺ کو جو کشف ہوتا ہے اور جو آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں، ساری اُمت مکلف ہے اس پر عمل کرنے کی۔

غیر نبی کو یا ولی کو کشف ہوتا ہے تو کوئی ایک دوسرا بندہ بھی اس پر عمل کرنے کا مکلف نہیں۔ یہ میں ان ساتھیوں کے لیے کہہ رہا ہوں جو کشف والے ساتھیوں کو گھیرے رکھتے ہیں، میری فلاں بات بتا دیں فلاں بتا دیں، تو بتا دے گا تو کیا ہوگا؟ تمہیں تو اس پر عمل کرنے کی

ضرورت ہی نہیں ہے۔ اگر عمل کرو گے تو اس کا مطلب ہے کہ تم اسے نبی سمجھتے ہو تو پھر تو ایمان بھی گیا یعنی کسی صاحب کشف سے آپ پوچھتے ہیں، وہ بتاتا ہے اس طرح کرو۔ آپ کریں گے اور اسے صحیح مانتے ہیں تو آپ اس کو نبی مانتے ہیں تو ایمان بھی گیا۔ فائدہ کیا ہوا؟

تیسری بات یہ ہے کہ جسے کشف ہوتا ہے وہ خود بھی اس پر عمل نہ کرے تو دنیوی نقصان ہوگا، دینی نہیں۔ ایک شخص کو خود کشف ہوتا ہے اسے یہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ مجھے یہ کام کرنا چاہیے، وہ کام کرنا شرعاً درست ہوتا ہے، وہ نہیں کرتا تو شاید دنیوی نقصان ہوجائے، کوئی بیماری آجائے، کوئی پیسے کا نقصان ہوجائے، کوئی اور دنیوی نقصان ہوجائے، دینی یا اُخروی نقصان اس کو نہیں ہوتا۔

کشف انعامِ باری تو ہے لیکن بہت بڑی آزمائش بھی ہے اور بہت بڑی مصیبت بھی ہے اور اس میں سمجھنے میں دھوکے لگ سکتے ہیں۔ ہم نے بارہا یہ دیکھا ہے اور تجربہ کیا ہے۔ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تھا، اسلام آباد میں ہم تھے تو ایک ساتھی آگئے غازی مرجان خان، غالباً احمد نواز بھی وہیں ہوگا، غالباً وہ جمعرات کا دن تھا۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے غازی مرجان سے فرمایا کہ بھئی مشائخ سے پوچھ کر بتاؤ کہ میں گھر کب جاؤں گا؟ کافی بیمار تھے اور علاج معالجہ ہو رہا تھا تو گھر جانا چاہیے، مشائخ سے پوچھ کر مجھے بتاؤ۔ اب غازی مرجان خان نے مراقبہ کرکے جواب دیا کہ حضرت فرما رہے ہیں کہ آپ اتوار کو گھر پہنچ جائیں گے۔ میں نے بھی یہ سمجھا کہ جو یہ کہہ رہا ہے اور حضرت جیؒ نے بھی یہی سمجھا کہ اتوار کو گھر چلے جائیں گے۔ میں اجازت لے کر آگیا کہ جمعہ یہاں پڑھنا تھا اور ہفتہ کا پروگرام میں نے بنایا کہ شکار پر جائیں گے اور کوئی اڑیال شکار کرکے حضرت جیؒ کے لیے اسلام آباد لے جائیں گے۔ تو واقعہ سارا آگے شام کا حضرتؒ کے وصال کا میں نے ارشاد السالکین میں لکھا ہے۔ اس لمبے واقعہ کی طرف میں نہیں جاتا۔ ہوا یہ کہ ہفتے کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ہم گھر لے گئے، اتوار کی عصر سے پہلے پہلے حضرت رحمۃ اللہ علیہ دفن ہوچکے تھے۔ اب اس کا کشف بھی صحیح ہوگیا، وہ تو اپنے گھر پہنچ گئے۔ ہم نے کیا سمجھا تھا۔ ہم نے یہ سمجھا تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ صحتمند ہوکر اپنے اس دنیوی گھر پہنچ جائیں گے۔ جو مشائخ نے فرمایا اس سے مراد یہ تھی کہ آپؒ اپنے پکے گھر پہنچ جائیں گے۔ تو ایک نہیں، ایسے بیشمار واقعات ہیں کشف میں۔ اس کی تعبیر کو سمجھنا یا پانا بھی ایک فن ہے۔ کشف ہوسکتا ہے لیکن اس کی تعبیر سمجھنا ایک الگ فن ہے، شعبہ ہے۔ خواب ہر بندہ دیکھ سکتا ہے لیکن ہر بندہ اس کی تعبیر نہیں جان سکتا، تو کشف انعام باری بھی ہے کہ اللہ دل کی آنکھ کھول دے۔ واقعی بے پناہ انعام ہے اس کا لیکن ہمیشہ انعامات کے ساتھ ہی خطرات بھی ہوتے ہیں۔ تہی دست فقیروں کو خطرہ کیا ہے؟ نہ چور کا ڈر نہ ڈاکو کا خطرہ۔

سوال: وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: بڑا مشکل پرچہ ہے بھئی آج کا، یہ غالباً آپ بھی میرا روز امتحان لیتے ہیں۔ ماننے اور جاننے کا فرق ہے۔ ایک شخص مانتا ہے کہ وہ آگے ایک شہر ہے۔ ایک شخص اس شہر سے ہوکر، دیکھ بھال کر آتا ہے۔ جس نے دیکھا بھالا وہ جانتا ہے، جس کو یہ علم ہے کہ آگے شہر ہے وہ مانتا ہے۔ یہ ماننے اور جاننے میں فرق ہوتا ہے۔ علمائے ظواہر نے مانا اللہ واحد ہے، لاشریک ہے، ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا، باقی ہر چیز فانی ہے، اس نے پیدا کی تو پیدا ہوئی۔ وہ فنا کردے گا، فنا ہوجائے گی، جسے باقی رکھنا چاہتا ہے، رکھے گا۔ جسے نہیں رکھنا چاہتا وہ مٹ جاتی ہے۔ یہ سارے علماء مانتے ہیں، ہر مسلمان مانتا ہے۔ لیکن کسی کو اللہ کا قرب اس قدر نصیب ہو کہ اسے معرفتِ الٰہی اس درجے کی ہوجائے، وہ جانتا ہو تو ظاہر ہے جاننے اور ماننے میں فرق تو ہوگا۔ اب اس میں تجلیاتِ باری جس طرح کی اللہ کو منظور ہو، جتنی اس کو استعداد بخشی، اس طرح کی دیکھی، عظمتِ باری سے آشنا ہوا تو وہ اس حقیقت تک پہنچ گیا کہ حقیقتاً وجود صرف اللہ کا ہے۔ باقی جتنے ہیں عارضی ہیں، بنانے سے بنے ہیں، قائم رکھنے سے قائم ہیں۔ جب وہ انہیں چھوڑ دے گا تو یہ مٹ جائیں گے۔ کوئی وجود ذاتِ باری کے علاوہ ایسا نہیں جو اپنے آپ کو قائم رکھ سکے۔ ایک اللہ کی ذات ہے جو اپنے آپ میں قائم ہے، کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گی اور یہ اس کی ذاتی صفت ہے کہ وہ قائم ہے، کسی کی مدد سے قائم نہیں۔ ساری کائنات خواہ آسمان ہو، عرش ہو، جنت ہو، دوزخ ہو، زمینیں ہوں، مخلوق ہو، تنکا ہو یا درخت ہو ہر چیز

اس کے قائم رکھنے سے قائم ہے، ورنہ کسی کی کوئی ذاتی حیثیت نہیں۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ فرمایا کہ وجود ایک ہی ہے، وحدت الوجود جو باقی رہنے والا ہے اور جو باقی ہے اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ باقی سب نہ ہونے کے برابر ہے۔ وحدت الوجود کہنے سے آپؒ کی مراد تھی کہ ایک واحد وجود ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، حقیقتاً جو موجود ہے، باقی سائے ہیں، خواب ہیں۔ جس طرح انسان کی زندگی میں سائے کا وجود ہوتا ہے کہ سورج نکلا تو سایہ ہے، ڈھلتا گیا سورج ڈوب گیا، سایہ ختم ہوگیا۔ یا خواب ہے، دیکھا، نیند ٹوٹی خواب بھی ختم ہوگیا۔ تو باقی جتنے وجود ہیں وہ اللہ کے قائم رکھنے سے قائم ہیں۔ اگر وہ اپنی طاقت سلب کر لے تو مٹ جائیں گے۔ تو فرمایا وحدت الوجود، واحد وجود ہے باقی سب سائے ہیں، خواب ہیں، جن کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ بات تو حق تھی لیکن نااہلوں کے ہاتھ چڑھی، جب اور نااہلوں تک پہنچی تو اس کا مطلب یہ لیا کہ ہر وجود ہی اللہ ہے یعنی بات کیا تھی، کیا سے کیا ہوگئی۔ ہر وجود ہی اللہ ہے۔ کوئی اللہ سے الگ نہیں ہے۔ ہر وجود، ہر شے، ہر درخت، ہر پتھر، ہر بندہ، ہر جانور سب اللہ ہیں۔ اب بھلا یہ تو مراد نہیں تھی لیکن بات اہلوں تک رہتی تو! نااہلوں کے پاس پہنچی تو انہوں نے یہ الٹا مطلب نکال لیا۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی اصلاح فرمائی اور انہوں نے فرمایا کہ یہ وحدت الوجود کا لفظ ہی چھوڑ دیا جائے۔ اس سے عوام کو دھوکا لگتا ہے، گمراہ ہوتے ہیں اور وحدت الشہود کہا جائے کہ یہ جتنے وجود کائنات میں ہیں یہ ایک بات پہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ باقی ہے، باقی سب کچھ فانی ہے۔ یعنی جتنے وجود آپ کو نظر آتے ہیں ذرات، پتے، تنکے، گھاس پھوس، انسان، حیوان کسی کا مطالعہ کریں تو وہ اپنے خالق و مالک کی عظمت پہ گواہ ہے یعنی ہر وجود اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اللہ ہے اور ہر چیز پہ قادر ہے۔ تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ متبادل پیش فرمایا کہ وحدت الوجود نہ کہا جائے، وحدت الشہود کہا جائے۔ کہ ہر وجود ایک ہی گواہی دیتا ہے کہ اللہ واحد ہے لاشریک ہے، ہر چیز پہ قادر ہے، ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ یہ اتنی مختصر سی حقیقت ہے ان دونوں جملوں کی۔

اب آپ اگر لائبریریاں دیکھیں تو بڑی بڑی لائبریریاں اتنی اتنی بڑی کتابوں سے بھری پڑی ہیں اور ان جملوں پہ اتنی بحث کی گئی ہے کہ بندے کو لکھ سمجھ نہیں آتی کہ کہاں سے کہاں چلا گیا۔ جتنے پڑھتے چلے جائیں گے، مزید الجھتے جائیں گے، مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ بڑے بڑے لوگوں نے بڑی بڑی موٹی جلدیں، کئی جلدوں میں کتابیں لکھی ہیں۔ بعض حضرات نے پھر کفر کے فتویٰ شائع کیے۔ بعض حضرات نے کہا گناہ ہے۔ پتا نہیں کیا کیا تماشے بنتے رہے، بات چھوٹی سی تھی۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کے لیے تھے جنہیں اللہ نے علومِ ظاہری سے بھی مشرف فرمایا اور علوم باطن اور کیفیاتِ قلبی بھی عطا فرمائے۔ یہ جملے ان کے لیے تھے۔ ان کو چاہے سمجھ نہ آئے اور وہ سمجھتے ہیں، عام معمول کے جملے ہیں۔ ان میں نہ کوئی عیب ہے، نہ گناہ ہے، نہ کوئی عجیب ہیں حقائق ہیں۔ دونوں میں حقیقت ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ قائم بالذات صرف اللہ کا وجود ہے باقی اس کے قائم رکھنے سے قائم ہیں یہ بھی سچ ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ ہر وجود اپنی ذات میں اللہ کی قدرت پر گواہ ہے۔ جس کا تجزیہ کر لیں، باتیں تو دونوں سچ ہیں اور عام سی بات ہے لیکن ان کے لیے عام ہے جنہیں اللہ نے بصارت بھی دی، بصیرت بھی دی، علمِ ظاہر سے بھی نوازا، علوم قلبی بھی عطا فرمائے۔ اب جن کے پاس ایک طرف کا علم ہے، دل روشن نہیں ہے، دماغ روشن ہے وہ پتا نہیں پھر کیا کیا اس میں مین میخ نکالتے رہے اور اس کے کیا کیا مفاہیم بناتے رہے اور کیا کیا تشریحات کرتے رہے، اور جتنی انہوں نے تشریح کی اتنا اسے اور الجھاتے چلے گئے۔ میرے پاس بھی لائبریری میں بیشمار کتابیں پڑی ہیں جن میں ان پر بڑے کفر کے فتویٰ ہیں اور کوئی انہیں کو حق سمجھتا ہے اس کے حق میں اتنے دلائل ہیں کہ اتنی بڑی کتاب بن گئی، کوئی اسی کو کفر سمجھتا ہے اس نے اتنے دلائل دیے کہ فضول محنت کرتے رہے، نہ اِس کا کچھ حاصل نہ اُس کا کچھ حاصل! سادہ سے جملے تھے۔ شاید محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے، شیخ اکبرؒ نے جو فرمایا حق تھا کہ اللہ کا وجود اس کی ذات سے قائم ہے، ایک وجود ہے، وحدت الوجود ایک واحد وجود ہے، باقی کوئی ایسا وجود نہیں جو اپنی ذات میں خود قائم ہو۔ وہ اللہ کے قائم رکھنے سے ہے اور جو مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ بھی حق

ہے کہ کسی وجود کا تجزیہ کرلیں وہ اپنی ذات میں اللہ کی قدرت پہ گواہ ہے، اس کی وحدانیت پہ گواہ ہے، اس کی ابدیت پہ گواہ ہے۔ تو انہوں نے وحدت الشہود کا لفظ دے دیا۔ اگر میں سمجھا سکا ہوں تو بات تو آسان سی ہے۔ شاید اس کا سمجھنا بھی مشکل ہے، سمجھانا اور بھی مشکل ہے۔ خود سمجھنا بھی اتنا آسان نہیں اور دوسرے کو سمجھانا پھر اور مشکل ہو جاتا ہے اور اللہ کرے میں آپ کو سمجھا سکا ہوں تو یہ سادہ سی حقیقت ہے۔ اس کے افسانے جو ہیں وہ بہت طویل بڑے لمبے اور بڑی بحثیں نکل گئی ہیں۔ اللہ کریم ہدایت نصیب فرمائے، ہدایت پہ قائم رکھے، اپنے نیک بندوں کے ساتھ موت دے اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ حشر کرے، آخرت کی شرمندگی سے بچائے، موت کی سختی اور قبر کی تنگی سے محفوظ رکھے۔

سوال: کل ایک سوال تھا کہ اللہ ھُو دراصل لا الہ الا اللہ سے ماخوذ ہے؟ میں نے مختصر سا جواب تو دے دیا تھا اس کو، اگر آپ تفصیل سے جاننا چاہتے ہیں تو حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس موضوع پر ایک پوری تقریر ہے سی ڈی (CD) شاید یہاں مل جانی چاہیے، وہ لے لیجیے اُس میں بہت تفصیل ہے۔ کوئی گھنٹے کی تقریر ہے اور اسی موضوع پر ہے۔ ایک بات اور عرض کردوں، بہت دفعہ یہ باتیں ہو چکی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں لیکن شاید لوگ توجہ کم کرتے ہیں۔

ذکر اذکار کا اور دائمی ذکر کا حاصل کیا ہے؟ احباب سمجھ لیتے ہیں کہ ذکر کرنے کا حاصل کشف ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ ذکر کا حاصل اصلاح نفس ہے۔ اِتباعِ شریعت ہے۔ ایسی کیفیت دل میں آ جائے کہ نیکی میٹھی لگے اور غلطی ہو جائے تو اس سے خوشی نہ ہو۔ دکھ ہو، کڑوی لگے اور توفیق عمل ارزاں ہوجائے۔ صوفیاء کے نزدیک کشف یا مشاہدے کی حیثیت کیا ہے؟ وہ فرماتے ہیں یہ ایک کھلونا ہے جو کمزور لوگوں کو دے دیا جاتا ہے اللہ کریم کے کرم سے کہ اس کی وجہ سے وہ اس پر قائم رہیں۔ فرماتے ہیں کہ طریقت کے جو بچے ہوتے ہیں یعنی جن کا مزاج بچوں جیسا ہوتا ہے، یعنی استقامت مردوں کی طرح نہیں ہوتی انہیں عموماً کشف کا کھلونا دے دیا جاتا ہے کہ وہ ان کے قائم رہنے کا سبب بن جائے۔ کشف مقصد نہیں ہے۔ اگر کشف مقصد ہوگا تو کشف اللہ تو نہیں ہے، یہ غیر اللہ ہے۔ پھر تو مقصود غیر اللہ ہو جائے گا۔ مزید مصیبت بن جائے گی۔ ہمارے ہاں یہ پراپیگنڈہ بھی کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اتنا عرصہ کچھ نہیں کھایا، گھاس پھوس کھاتا رہا کہ اس کے جسم کا گوشت سبزی مائل ہوگیا۔ فلاں نے فلاں غار میں چلّہ کشی کی۔ فلاں نے فلاں کیا تو یہ غاروں میں چلّہ کشی سے یا جنگلوں میں نکل جانے سے یا کھانا نہ کھا کر سبزہ کھانے سے کیا اللہ کے نزدیک قرب بڑھ جاتا ہے؟ قربِ الٰہی کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ ہے اتباعِ شریعت۔ نبی کریم ﷺ نے جو فرمایا ہے اُس کا اتباع کرنا۔ جو دین عطا فرمایا ہے اس پر عمل کرنا۔

ایک بڑی کشمکش بن جاتی ہے کہ انسان کا اپنا نفس جو ہے وہ مادی چیزوں کی طرف فطرتاً مائل ہوتا ہے۔ اس پہ اس قدر غلبہ حاصل کرنا کہ وہ مرضیاتِ باری کی طرف جائے اور اللہ کی اطاعت کرے، یہ ساری محنت اس کام کے لیے ہوتی ہے۔ اگر کسی کو اپنے ذکر کے نتائج دیکھنے ہوں تو وہ یہ دیکھے کہ اُس کی زندگی، جب ذکر نہیں کرتا تھا تو کیسی تھی اور جب ذکر کیا تو اس میں کیا مثبت تبدیلی آئی۔ اس کا معیار یہ ہے کہ ذکر سے اللہ کی اطاعت اور اِتباعِ رسالت نصیب ہوتا ہے۔ اللہ کریم چاہے تو کسی کو کشف عطا کر دیتے ہیں۔ وہ انکی اپنی عطا ہے۔ لیکن جس طرح حضور عالی ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کو جب حساب کتاب ہوگا تو کچھ لوگ ایسے ہونگے جب اُن کے اعمال تولے جائیں گے، اللہ کریم کو پیش کیے جائیں گے کہ ان کے اعمال کا یہ وزن، یہ نیکیاں ہیں تو ارشاد ہوگا کیا سارے تول یہی ہیں؟ جی، سارے تول یہی ہیں۔ تو ارشاد ہوگا اس کے کچھ اعمال میرے پاس بھی ہیں جو تمہارے علم میں نہیں ہیں۔ وہ عطا ہونگے کہ ان کا بھی وزن کرو۔ نیکیوں کے پلڑے میں رکھیں گے تو نیکیاں بہت زیادہ ہو جائیں گی۔ تو وہ کیا ہوگا؟ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہوتا ہے کہ وہ اس کی وہ دعائیں ہوں گی جو دنیا میں اس نے کیں اور اللہ نے اس کے لیے زادِ آخرت بنا کر رکھ لیں جو دنیا میں پوری نہیں ہوئیں۔ بڑے بڑے مستجاب الدعوات لوگ جن کی دُعائیں ہمیشہ قبول ہوتی تھیں، اس وقت وہ بھی آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں کوئی دعا قبول

نہ ہوتی اور آج کام آتی۔ یہ کشف و مشاہدہ جو ہے یہ بھی پھل ہے، ثمر ہے۔ پھل اور ثمر ایک تو وہبی ہوتے ہیں اللہ اپنی مرضی سے دیتا ہے۔ کسبی نہیں ہوتے، کوئی محنت کر کے نہیں لیتا۔ دوسرا یہ ہے کہ یہ از قسم ثواب ہیں، ایک طرح کا ثواب اس مجاہدے کا کشف کی صورت میں مل گیا۔ جنہیں نہیں ہوتا اُن کا اجر کشف والوں سے آخرت میں زیادہ ہوگا۔ اِن چیزوں کا خیال رکھیں اور محض اللہ کی رضا کو پانے کے لیے مجاہدہ کریں۔

سوال: اِتباعِ رسالت درحقیقت اِتباعِ الٰہی ہے پھر فنافی الرسول اور فنافی اللہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: اِتباع عمل ہے اور مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ (النسآء:80) جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے کوئی دینی حکم جاری نہیں فرماتے۔ وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ؕ﴿۳﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾ (النجم: 4-3) اپنی پسند سے آپ کوئی حکم نہیں دیتے۔ جب تک اللہ کی طرف سے وہ حکم نہ آجائے، آپ ﷺ ارشاد نہیں فرماتے۔ لہٰذا حضور ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ اِتباع اور بات ہے اور کیفیاتِ قلبی اور بات ہے۔ اُن کیفیات کا تعلق اِتباع کی گیرائی اور گہرائی سے ہوتا ہے۔ آپ کسی نیک بندے کے ساتھ مل جاتے ہیں اور اس کی سنگت یا اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جو ہے وہ آپ کو نیکی کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ وہ مزاج میں آجاتا ہے۔ اہل اللہ کے پاس بیٹھیں، علمائے حق کے پاس بندہ بیٹھے تو بندہ برائیاں چھوڑ کر نیکی کی طرف آجاتا ہے۔ بدکاروں کی مجلس میں بیٹھنا شروع کر دے تو آہستہ آہستہ بندہ بدکاری میں مبتلا ہونے لگ جاتا ہے۔ تو یہ کیفیات ہیں جو قلب پر وارد ہوتی ہیں۔ اُن کے اپنے اپنے اثرات و نتائج ہیں اور یہ مدارج ہیں۔

فنافی الرسول بہت بڑا مرتبہ ہے۔ کہنے کو تو ہم سب کہتے ہیں میں فنافی الرسول ہوں، لیکن پتا تو روزِ محشر چلے گا کہ ہم میں کتنی آرزوئے نفس تھی اور کس خلوص سے اِتباعِ رسالت کی۔ ابھی تو سارے کمرہ امتحان میں ہیں جب نتیجے کا دن آئے گا تب پتا چلے گا۔ کمرہ امتحان میں تو بچے کوشش کرتے ہیں۔ دس سوال ہیں، دس ہی کر کے آجائیں۔ اُن دس میں سے پھر کسی کو کیئی نمبر نہیں ملتا، کاٹ دیا جاتا ہے کہ جواب ہی غلط ہے۔ کسی کو دس میں سے دو نمبر ملتے ہیں، کوئی دس میں سے پانچ لے جاتا ہے، کوئی سات لے جاتا ہے۔ میرا خیال ہے دس یا پندرہ نمبر کا سوال ہو تو شاید کوئی بھی پندرہ یا چودہ نہیں لیتا۔ تو دنیا میں محنت و مجاہدہ ہر کوئی اپنے طور پر کرتا ہے اور اُس کا خیال بھی ہوتا ہے کہ مجھے یہ منصب یا مقام یا آگے کیفیت حاصل ہے۔ حقیقت، جب آنکھ بند ہوگی، تو آنکھ کھلے گی اور پتا چلے گا۔ فنافی الرسول ایک کیفیت ہے کہ انوارات و تجلیاتِ رسالت پناہی جو روح کو نصیب ہوتے ہیں اُس میں اِتباعِ رسالت کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے اور اس کے اعمال حضور ﷺ کے حکم کے مطابق ڈھل جاتے ہیں۔ فنافی الرسول سے ہی فنافی اللہ نصیب ہوتی ہے، اور کوئی دروازہ نہیں ہے۔ فنافی اللہ سے مراد یہ ہے کہ اس کا قلب تجلیاتِ باری، صفاتِ باری کی جو صفاتی تجلیات ہیں، اُن کا مہبط بن جاتا ہے۔ اللہ کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کے اِتباع میں اُسے اور قوت نصیب ہوتی ہے۔ اس سب کے باوجود سوائے انبیاءؑ کے کوئی معصوم نہیں ہوتا، غلطی کا امکان رہتا ہے لیکن یہ کیفیات نصیب ہوجائیں تو پھر حفاظتِ الٰہیہ نصیب ہوجاتی ہے، محفوظ ہوجاتا ہے۔ اس طرح ہر کام کا ایک اپنا نتیجہ ہے اور یہ چونکہ کیفی چیزیں ہیں تو یہ کیفیات میں محسوس کی جاسکتی ہیں، الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

سوال: ایمان کی پختگی کے لیے اللہ کریم نے عبادات فرض کی ہیں لیکن کیا وجہ ہے عبادت گزار کی عبادت اُسے اپنی بڑائی کے احساس میں مبتلا کر دیتی ہے؟

جواب: بڑی عجیب بات ہے کہ ہر چیز کا غذا ہو، دوا ہو، ایک معیار ہوتا ہے، اعتدال ہوتا ہے۔ جہاں بھی آپ حد سے گزر جائیں، غذا بھی بے انداز کھا جائیں تو بیمار ہوجاتے ہیں۔ کم ملے تو بھی بیمار ہوجاتے ہیں۔ ہر ایک کی ایک ضرورت ہوتی ہے، ایک معیار ہوتا ہے۔ اس کے مطابق ہو تو صحت درست رہتی ہے۔ اس سے کم زیادہ ہو تو خراب ہوجاتی ہے۔ ہر انسان میں فطری طور پر، تخلیقی طور پر ایک جذبہ ہے۔ اور ہر

بندے میں ہے، بادشاہ سے لے کر گدا تک۔آپ جس سے پوچھیں گے وہ کہے گا کہ میرے جیسا جہاں میں کوئی نہیں۔اب یہ بڑی عجیب بات ہے! ابھی آپ تجربہ کر کے دیکھیں یا دیکھا ہوگا، یا اپنے آپ کو بھی دیکھ لیں، بندہ سمجھتا ہے میرے جیسا جہاں میں کوئی نہیں۔امیر لوگ سمجھتے ہیں ہم جیسا کوئی نہیں۔بادشاہ سمجھتا ہے ہم جیسا کوئی نہیں۔فقیر جو گدا کر رہے ہوتے ہیں، اس کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ میرے جیسا دوسرا کوئی نہیں۔ذرا کوئی بات ہو تو بھڑک اٹھتے ہیں کہ میرے سامنے اس نے یہ کہہ دیا۔میری بات اس نے نہیں مانی۔ایک حدیث قدسی ہے۔اِنَّ اللهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ (البخاری و مسلم) کہ اللہ کریم نے آدم کو یا اس عالم انسانی کو اپنی صورت پہ پیدا فرمایا۔اب اس کی لوگ توجیہہ کرتے رہتے ہیں کہ انسان کی صورت کیسی ہے؟ اللہ کریم کی صورت کیسی ہوگی؟ صورت سے مراد ظاہری شکل وصورت نہیں ہے۔صورت سے مراد ہے (Feeling) فیلنگ۔اللہ کریم کی شان ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں۔اس کی تو واقعی شان ہے۔انسان میں تخلیقی طور پر ایک بات ہے کہ میرے جیسا کوئی نہیں۔سارے کا سارا دین اور دین کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اس انا پر قابو پا کر آگے نکلے اور کہے کہ اللہ جیسا کوئی نہیں۔سارا دین کیا ہے؟ دین کی بنیاد کیا ہے؟ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ۔اللہ بے مثل و بے مثال ہے۔عبادت کا مستحق ہے۔کوئی دوسرا اس جیسا نہیں۔بندے کا بندہ ہونا یہ ہے کہ اپنی انا سے اوپر نکل جائے۔ایسا کرے گا تو اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔اپنی انا میں گرفتار ہو جائے تو اللہ کے مقابلے میں اپنے نفس کی اطاعت کرتا ہے۔جدھر نفس لے جاتا ہے اُدھر چلا جاتا ہے۔اور ہر بندے کو یہ وہم ہے کہ جو میں کر رہا ہوں وہی ٹھیک ہے، جو میں کہہ رہا ہوں وہی صحیح ہے، جو میں مشورہ دے رہا ہوں وہی درست ہے۔یہ تخلیقی طور پر اس کے مزاج میں ہے۔اب اس کے مقابلے میں کوئی یہ نہ سمجھے کہ تخلیقی طور پر ہے تو پھر بندہ مجبور ہے۔نہیں! اللہ کریم نے اس کے مقابلے میں اپنا جمال جہاں آراء رکھا ہے۔ایک طرف بندے میں یہ آتا ہے کہ میں سب سے اچھا ہوں، سامنے جمال باری ہے کہ وہ سب سے اچھا ہے۔انسان کا امتحان ہی یہی ہے۔ہر نبی علیہ السلام جو مبعوث ہوئے، آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آقائے نامدار ﷺ تک، ہر نبی نے یہ بنیادی بات کہی۔لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ۔یعنی ہر عہد، ہر دور میں انسان کو اس تقابل کو ضرورت رہی کہ میں بڑا نہیں ہوں، اللہ بہت بڑا ہے۔میری نہ مانی جائے، اللہ کریم کی مانی جائے۔یہی تو آزمائش ہے۔وہ بڑا اچھا شعر کسی نے کہا تھا۔

رخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

میرا محبوب اتنا حسین اور خوبصورت ہے۔اس نے رات کو اپنے سامنے، مقابلے میں شمع رکھ دی ہے۔شمع بھی روشن ہے لیکن اس کا چہرہ شمع سے روشن تر ہے۔آزمانا چاہتا ہے کہ پروانہ شمع کی طرف آتا ہے یا میرے جمال پہ فدا ہوتا ہے۔میرے چہرے کی روشنی، میرے نور کی کرنوں کی طرف آتا ہے! اگر انسان میں یہ اَنا رکھی ہے تو مقابلے میں اپنی ذات کو رکھا ہے۔پھر انسانی اَنا کتنی بھی بڑی ہو، اللہ کریم کے جمال اور اس کی رضا کے مقابلے میں تو کچھ نہیں۔اللہ نے بہت مضبوط واسطہ، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا رکھا ہے جو ایک طرف سے اللہ کریم سے پیوستہ ہوتے ہیں اور دوسری طرف سے عام آدمی سے۔بادشاہ سے لے کر فقیر تک، سب کو جمالِ الٰہی کی طرف راہنمائی کر رہے ہوتے ہیں۔اِن کیفیات کا اظہار حدیث شریف میں حدیثِ احسان میں ہوتا ہے، جس کا ایک جزو یہ ہے کہ آپ ﷺ سے کسی سائل نے پوچھا کہ حضور احسان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ (بخاری)۔احسان یہ ہے کہ تُو اللہ کی عبادت ایسے کرے گویا اُسے دیکھ رہا ہے۔یہ حدیث بھی بڑی بحث طلب ہے۔عجیب بات ہے کہ اس دنیا میں، اِن آنکھوں سے، جمالِ الٰہی کو دیکھنا ممکن نہیں۔قرآنِ کریم میں خود ارشاد ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے، جنہیں اللہ جل شانہ سے بات کرنے کا شرف حاصل تھا وہ براہ راست گزارشات کرتے تھے، براہِ راست جواب پا لیتے تھے۔انہوں نے عرض کی کہ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ... یا اللہ! مجھے اپنا جمال دکھا، میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ (الاعراف:143)۔۔۔فرمایا تم مجھے اس دنیا میں

نہیں دیکھ سکتے۔ اولوالعزم رسول، کلیم اللہ سے فرمایا، اِن آنکھوں سے، اس دنیا میں جمالِ باری کو نہیں دیکھ سکتے۔ حالانکہ جنت میں یا روزِ محشر عام مومنین بھی جمالِ باری کا دیدار کریں گے۔ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ، ہم اللہ کو کیسے دیکھیں گے؟ فرمایا، جس طرح چاند کو سامنے دیکھتے ہو۔ اُس دنیا کی بات اور ہے۔ اب اس دنیا میں جب یہ ممکن نہیں ہے کہ بندہ اللہ کو دیکھ سکے تو حضور ﷺ نے جو حکم دیا ہے کہ اَنْ تَعْبُدُ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ (بخاری) اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ اسے دیکھ رہے ہو تو کیا یہ ناممکن کے لیے ہے؟ جو چیز کرنا ممکن نہیں ہے ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ انسانی تصور کی پرواز بھی وہاں تک ہے جو چیزیں کرنا ممکن ہیں تو پھر انسان تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔

ہوتا یہ ہے کہ یہی جو سوال تھا فنا فی الرسول یا فنا فی اللہ، یہ قربِ الٰہی کی وہ کیفیات ہیں کہ بندہ دیکھ نہیں سکتا لیکن وہ دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جمالِ باری کی تجلیات اس طرح دل پہ منعکس ہوتی ہیں کہ اُس کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی لیکن اسے یقین ہوتا ہے، میں دیکھ رہا ہوں۔ فرمایا نماز اس حالت میں پڑھو کہ گویا تم اللہ کریم کو روبرو دیکھ رہے ہو۔ اس کا مطلب ہے کسی بھی طرح یہ دیکھنا ممکن ہے تبھی حکم دیا گیا۔ ممکن اسی طرح سے ہے کہ اس کے دل میں وہ تجلیات آ جائیں، جنہیں وہ ظاہری نگاہ سے دیکھ تو نہیں رہا لیکن آنکھوں سے دیکھنے سے زیادہ اُسے یقین ہے کہ میں جمالِ باری کو دیکھ رہا ہوں۔

جب سردی لگتی ہے کسی کو تو کوئی آنکھوں سے نظر آتی ہے؟ اسے یقین ہوتا ہے مجھے سردی لگ رہی ہے۔ ایک کیفیت ہے جو بدن پہ وارد ہوتی ہے۔ تو ہم کوئی دیکھتے تو نہیں کہ سردی آئی ہے اور مجھے چمٹ گئی ہے۔ لیکن یقین ہو جاتا ہے کہ سردی ہے۔ ہمیں جب گرمی لگتی ہے تو کیا کوئی آنکھ گرمی کو دیکھ رہی ہوتی ہے؟ پنکھے کے نیچے جا کر بیٹھتے ہیں یا ہوا میں جا کر بیٹھتے ہیں۔ اُٹھ کر سائے میں چلے جاتے ہیں تو یقین ہو جاتا ہے کہ مجھے گرمی لگ رہی ہے۔ جب جمالِ باری کی کیفیات دل میں وارد ہوتی ہیں تو آنکھ دیکھ نہیں رہی ہوتی، یقین ہو جاتا ہے میں دیکھ رہا ہوں، محسوس ہو جاتا ہے۔ گرمی سردی کی طرح ایک کیفیت جب دل پر وارد ہوتی ہے تو نہ دیکھتے ہوئے بھی وہ دیکھ رہا ہوتا ہے، اور یہی حکم دیا حضور ﷺ نے کہ جب اللہ کی عبادت کرو، نماز میں کھڑے ہو جاؤ، رکوع و سجود کرو، فرمانبرداری کرو کہ ہر اطاعتِ الٰہی عبادت ہے۔ سب احکام اس میں آ جاتے ہیں۔ جب بھی شریعت پر عمل کرتے ہو تو دیکھو کہ تم اللہ کے روبرو کر رہے ہو۔ اس میں کوئی کمی، کمزوری، کوتاہی نہ رہ جائے کہ اللہ کے روبرو کر رہے ہو۔ ایک ارشاد میں یہ بھی ملتا ہے کہ سب سے بُرے چور وہ ہیں جو نماز میں چوری کرتے ہیں۔ یارسول اللہ! نماز میں کیسے کوئی چوری کرتا ہے؟ فرمایا کہ ہم قیام پورا نہیں کرتے یا رکوع میں جاتے ہیں واپس قیام میں نہیں آتے، وہیں پر سجدے میں گر جاتے ہیں۔ یا ایک سجدہ کرتے ہیں تو واپس جلسہ پورا نہیں کرتے، آدھا رکن چُرا کر مرغ کی طرح ٹھونگیں مار لیتے ہیں۔ تھوڑا سا سر اٹھایا پھر سر رکھ دیا۔ اسی طرح وضو میں کمی، کمزوری یا خیانت رہ جاتی ہے۔ تو یہ وہ لوگ ہیں جو نماز میں چوری کرتے ہیں۔ اب جب دل یہ کیفیت آ جائے کہ میرا اللہ میرے روبرو ہے تو پھر کیا وہ چوری چکاری، کمی ہو گی؟ یا پھر دوسرا درجہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ (بخاری) اگر تم اس عزم، اس مقام، اس منزل پر نہیں پہنچ سکتے کہ تم پر یہ کیفیت وارد ہو کہ میں اللہ کو روبرو پاتا ہوں۔ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (بخاری) پھر یہ یقین رہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یعنی کمتر درجہ یہ ہے۔ اب وہ عالی درجہ تو یہ ہے کہ جب اللہ کی اطاعت کرو تو یقین ہو کہ میں اللہ کو روبرو دیکھ رہا ہوں اور اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے یہ کام کر رہا ہوں۔ لیکن اگر یہ درجہ نہ پا سکو تو کمتر یہ ہے کہ تمہیں یہ یقین ہو کہ اللہ تو مجھے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ دونوں درجے نہ رہیں تو پھر عبادت اللہ کی نہیں رہتی، اپنی ہو جاتی ہے۔ بندہ خود ہی خود کو پوج رہا ہوتا ہے اور سمجھتا ہے میں بڑا نیک ہو گیا ہوں، میں بڑا پارسا ہو گیا ہوں۔ اب دوسرے لوگوں کو میری عزت کرنی چاہیے۔ میرے ہاتھ چومنے چاہئیں۔ میرے پاؤں دھونے چاہئیں۔ میری خدمت کرنی چاہیے کہ میں بہت بڑا ہو گیا ہوں۔ اللہ کی عبادت کرتا ہے یا پھر اپنے نفس کی کر رہا ہوتا ہے۔

اگر حضورِ حق کی وہ کیفیات نہ ہوں تو پھر عبادت زہر بن جاتی ہے۔ جس طرح غذا زہر بن جاتی ہے، حد سے زیادہ کھا جائیں تو مارنے کے لیے وہی کافی ہے۔ اب دودھ غذا بھی ہے دوا بھی ہے۔ بھوکے کو پلائیں اس کی بھوک مٹ جاتی ہے۔ بیمار کو دیں تو اسے ڈال روٹی سے کم نقصان دیتا ہے۔ زود ہضم ہے۔ طاقت بھی دیتا ہے۔ لیکن حد سے زیادہ کسی کو پلا دیں تو اس کی موت کا سبب وہی دودھ بن جاتا ہے۔ عبادات میں اگر یہ حضورِ حق نہ ہو تو پھر وہ اللہ کی عبادت نہیں رہتی پھر وہ اپنی عبادت بن جاتی ہے۔ جب بندہ خود اپنے کو پوجنے لگ جائے گا تو پھر ساری خرابیاں وہاں آجاتی ہیں۔

سوال:

کیا وجہ ہے کہ عبادت گزار کی عبادت اسے اپنی بڑائی کے احساس میں مبتلا کر دیتی ہے؟

جواب:

گزارش یہ ہے کہ یہی وجہ ہے کہ جب اُسے حضورِ حق نصیب نہیں ہوتا تو پھر وہ عبادت بھی اپنی ہی کر رہا ہوتا ہے اور سمجھتا ہے میں بڑا تیر مار رہا ہوں۔ دوسروں سے بہت آگے نکل گیا ہوں اور دوسروں کو اب میرا احترام کرنا چاہیے اور مجھے پیسے بھی دیں اور میری خدمت بھی کریں۔ مقصدِ حیات ہی بدل جاتا ہے۔ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے، جانتا ہوں کہ جو علیحدگی میں نہیں بیٹھے، کوئی چلّہ نہیں کاٹا، کوئی ایسا کام کہ جی! یہ کریں گے تو مشاہدہ ہو جائے گا، کشف ہو جائے گا۔ چیزیں نظر آجائیں گی، نہیں کیا۔ جب پوچھا گیا کہ یہ لوگ کرتے نہیں ہیں۔ آپ کیوں نہیں کرتے؟ تو جواب یہ تھا کہ اپنے لیے کسی کمال کا چاہنا کیا اللہ کی عبادت ہے یا اپنی ہے۔ اگر میں چلّہ کشی کروں کہ مجھے کشف ہو جائے تو یہ اللہ کی عبادت تو نہیں۔ میں تو اپنا اِک کمال حاصل کرنے کے لیے اپنی ہی عبادت کر رہا ہوں۔ بھئی! ہوگا تو ہو جائے گا نہیں ہوگا تو نہ ہو۔ یہ تو اُس کی عطا ہے۔ دے دے گا ٹھیک ہے۔ نہیں دے تو بھی ٹھیک ہے۔ وہ بہتر جانتا ہے کس کو کس وقت کیا دینا ہے۔ کس کے لیے کیا مفید ہے۔ وہ کہتے ہیں ہو سکتا ہے مجھے کشف ہو جائے، میں گمراہ ہو جاؤں۔ اللہ نے مجھے اس لیے نہیں دیا ہوگا۔ کیونکہ کشف کسی کی ہدایت کا سبب بن جاتا ہے اور کسی کی گمراہی کا بھی سبب بن جاتا ہے۔ تو فرمایا، یہ غیر اللہ ہے، اللہ تو نہیں ہے۔ غیر اللہ کے لیے عبادت کرنا تو شرک ہو جاتا ہے۔ آگے ہمیں زیادہ خراب جو کیا ہے تو یہ قصہ گووٴں نے کیا ہے۔ یہ بڑا ظلم ہوا ہے صوفیاء کے ساتھ کہ ان کے حالات لکھنے والے تصوف کی ابجد سے بھی واقف نہیں تھے۔ ادیب تھے، دانشور تھے، خطیب تھے۔ بہت اچھے لکھنے والے تھے لیکن اس فن سے واقف نہیں تھے۔ جو اس فن کی کمزوریاں تھیں انہیں کمال لکھتے رہے اور جو کمال ہے اُسے کسی نے شمار ہی نہیں کیا۔ کمال تو ان لوگوں کا یہ تھا کہ یہ خود اللہ کی اطاعت میں سر تا پا گم تھے اور جو جو لوگ ان کے ساتھ ملے وہ اللہ کے فرمانبردار ہوتے گئے۔ لوگوں کے دلوں میں جمالِ الٰہی جھلکتا گیا اور لوگ نیک ہوتے گئے۔ سچے ہوتے گئے۔ کھرے انسان بنتے گئے۔ جسے کسی نے شمار ہی نہیں کیا۔ پتا نہیں کیا کیا افسانے لکھ دیئے اور کیا کیا کر دیا۔ جی وہ فلاں تھے۔ وہ پانی پر چلے جاتے۔ یہ کوئی کمال نہیں کیونکہ پانی پر سارا دن مینڈک بھی تیرتے ہیں۔ پھر کیا کمال ہے؟ فلاں جی ہوا میں۔ ہوا میں تو گدھ اور کوے بھی اُڑتے پھرتے ہیں۔ کسی انسان نے اُڑ لیا تو کیا کمال ہے۔ مردار جانور بھی تو اڑتے پھرتے ہیں۔ حرام پرندے بھی تو اڑتے پھرتے ہیں۔ انسانی کمال یہ ہے کہ اس نے کس خلوص سے، کتنا اتباعِ رسالت کیا۔ کتنی اطاعتِ الٰہی کی۔ یہ اس کا کمال ہے۔ اور جب ایمان و یقین کی وہ کیفیات نصیب نہ ہوں تو پھر وہ عبادات بھی زہر بن جاتی ہے۔ بندہ اپنی بڑائی کے لیے کرتا رہتا ہے۔ بڑی عمر کے بزرگ، انسانی نفسیات کے جاننے والے ہوتے تھے، جیسے سائیکالوجی Psychology کے ماہرین۔ یہ بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ لوگوں کی عادات کو سمجھتے ہیں۔ دادا جان مرحوم، اللہ اُن پر ہمیشہ رحم فرمائے۔ بہت مزے کے آدمی تھے اور ہمارے بچپن تک تو یہ زمانہ تھا کہ بڑے بوڑھے بیٹھے ہوتے تھے۔ بچے بھی ان کے پاس جا کر کھیلتے تھے اور ان کی باتیں سنتے تھے۔ آگے ایک تربیت ہوتی تھی۔ اب بزرگوں نے بھی بیٹھنا چھوڑ دیا ہے۔ بزرگ بھی میرا خیال ہے میلے ٹھیلے

اور تماشے ہی دیکھتے رہتے ہیں ٹیلی ویژن پر یا موبائل پر۔ بچے بھی اب بزرگوں کے پاس بیٹھنا گوارا نہیں کرتے۔ انہیں بھی ٹیلی ویژن مل گیا ہے۔ ہر موبائل ایک چلتا پھرتا ٹیلی ویژن ہے۔ اس پہ لگے رہتے ہیں۔ تو ہم جب بزرگوں کے پاس بیٹھتے تھے تو اس وقت باتیں سمجھ نہ آئیں مگر یاد تو رہ جاتی ہیں۔ ایک خانقاہ ہے بڑی مشہور اور بڑے لوگ وہاں جاتے ہیں اور کروڑوں روپے نچھاور کرتے ہیں۔ وہ جس بزرگ کے نام سے ہے، اب شاید ان کی تیسری چوتھی پشت چل رہی ہے۔ تو دادا جان مرحوم کا زمانہ قریب تھا، وہ ان کے بارے سنایا کرتے تھے کہ انہوں نے ساری عمر روزہ رکھا۔ جب سے روزہ شروع کیا تو سوائے دو عیدوں کے، وہ افطار نہیں کرتے تھے۔ سارا سال روزہ رکھتے تھے۔ جب بوڑھے ہو گئے، روزے کی سکت نہ رہی تب بھی رکھتے تھے۔ عصر کے بعد اُن کی رگیں خشک ہو جاتیں اور تکلیف ہونا شروع ہو جاتی تو خادم بادامِ روغن کی مالش اِن رگوں پر کرتے اور اس طرح سے بمشکل شام تک، افطاری تک پہنچتے۔ اُن کے ایک معالج نے یا بے تکلف دوست نے کہا کہ حضرت جس حال میں آپ ہیں، اس میں تو فرض روزہ معاف ہو جاتا ہے اور اللہ کا حکم ہے کہ فدیہ دے سکتے ہو۔ جس حال میں آپ ہیں، جیسی آپ کی صحت اور عمر ہے تو اللہ کی طرف سے آپ پر تو روزہ فرض نہیں ہے۔ آپ روزے کا فدیہ دے سکتے ہیں۔ جب کوئی بندہ اس حال کو پہنچ جائے کہ اُس کے صحتمند ہونے کی اُمید بھی نہ رہے، عمر کا ایسا عرصہ ہو یا بیماری کی ایسی صورت ہو تو پھر وہ فدیہ دے۔ صحتمند ہونے کی اُمید ہے تو پھر تو یہ اُمید ہے کہ صحتمند ہوگا تو روزے قضا کرے گا۔ اگر نہیں اُمید تو پھر وہ فدیہ دے۔ تو آپ یہ تکلف کیوں کرتے ہیں؟ تو انہیں جو اس نے جواب دیا، وہ بڑا انسانی نفسیات کے حساب سے، سائیکالوجی Psychology کا بڑا جواب ہے۔ انہوں نے کہا میاں! میں تو بھوکا مر رہا ہوں لیکن اس پہاڑی میں اولاد کے لیے شہد کا چھتہ لگا رہا ہوں، نسلوں تک کھائیں گے یعنی لوگوں پر میری اس عبادت کا اتنا سکہ جم جائے گا۔ میرا مقبرہ بنے گا۔ خانقاہ بنے گی۔ لوگ وہاں سلام کرنے، منتیں ماننے آئیں گے اور کئی نسلوں تک میری اولاد موجیں کرے گی۔ اب مشقت دیکھیں کہ ایک بندہ ساری عمر بھوکا رہتا ہے۔ کیا وہ اللہ کی رضا کے لیے کر رہا ہے؟ اتباعِ رسالت نہیں کر رہا، وہ کہہ رہا ہے، میں اولاد کے لیے شہد کا چھتہ لگا رہا ہوں، کھاتے رہیں گے۔ اب اُن کی تیسری، چوتھی نسل ہے اور ان کی لاکھوں کی آمدن ہے۔ اب میرا خیال ہے بہت سارے خاندان ہو گئے ہیں۔ مزار پر جب جاؤ تو کوئی یہاں بیٹھتا ہے کوئی وہاں بیٹھا ہے۔ وہ کھینچ کر لے جاتے ہیں، اس حضرت کے پاس آؤ، اُس کے پاس آؤ۔ اب اس پر لڑائی ہوئی تو وہ بندوقیں لے کر اور بدمعاش اکٹھے کر کے، لڑے۔ پھر انہوں نے کہا لڑائی حل نہیں ہے۔ اب میرا خیال ہے انہوں نے یہ حل نکالا ہے کہ دن بانٹ لیے ہیں۔ ایک دن تم، اگلے دن فلاں، اگلے دن فلاں، اگلے دن فلاں۔ جب وہ چکر ختم ہوگا تو پھر پہلے سے شروع ہو جائیں گے۔ اتنی آمدن ہے کہ اس پر لڑتے ہیں۔ سینکڑوں تو مرغے روزانہ مل جاتے ہیں۔ بکرے مل جاتے ہیں۔ نقد روپے بڑے ملتے ہیں۔ تو اب یہ عبادت جو ہے، کتنا مجاہدہ ہے کہ بندہ آخری عمر تک، مرتے دم تک، سارا سال روزہ رکھے لیکن کیا یہ اللہ کی رضا کے لیے تھا؟ اللہ کی رضا کے لیے ہوتا تو حضور ﷺ کے ارشادات کے مطابق ہوتا۔ اب جس عمر میں فرض روزے بھی معاف ہو گئے ہیں، اُس میں نفلی رکھنے کی کیا تک ہے؟ لیکن وہ اپنے نفس کے لیے، خاندان کو پالنے کے لیے تھا۔ تو جب دادا جان یہ باتیں سنایا کرتے تھے تو سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کو انسانی سائیکی Psyche کا کتنا تجربہ ہو جاتا ہے، لوگوں کے ساتھ مل کر۔ نہ سائیکالوجی پڑھی۔ نہ کسی کالج میں گئے، نہ کوئی کلاس اٹینڈ کی۔ لیکن یہ کتنی سائیکالوجی جانتے ہوتے ہیں کہ اس طرح کروں گا تو اس کے نتیجے میں لوگ اس طرح کریں گے۔

جب عبادات، ذاتی اغراض کے لیے ہو جاتی ہیں تو تباہی کا سبب بن جاتی ہیں۔ اللہ اللہ۔ اللہ ان چیزوں سے بچائے اور بالخصوص ان احباب کو جنہیں کوئی ذمہ داری مل جاتی ہے۔ انہیں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہم فرشتے ہو گئے۔ میں صاحبِ مجاز ہوں، میں بے مثال ہوں۔ دوسروں کی نسبت میری ذمہ داری بڑھ گئی ہے، دوسروں کی نسبت مجھ

میں خلوص زیادہ ہونا چاہیے۔ اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی رضا کے لیے زیادہ محنت کروں، زیادہ خلوص سے کروں اور صرف اللہ کی رضا کے لیے۔ بعض باتیں بڑی تلخ ہوتی ہیں۔ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ بعض اوقات کرنا بھی پڑ جاتی ہیں۔ اگر اس میں کسی کی دل آزاری ہو تو اللہ مجھے معاف کرے اور وہ بھی معاف کر دے۔ ایک بزرگ آئے۔ پرانے ساتھی ہیں سلسلے کے۔ جب اُن سے پوچھا گیا آپ کے مراقبات کہاں تک ہیں؟ جی عرشی منازل ہیں۔ بڑی اچھی بات ہے۔ لطائف کون سے ہیں۔ کہاں، کہاں ہیں؟ یہ تو نہیں پتا۔ ابتدائی مراقبات کیا ہیں، اُن کی کیفیات؟ یہ تو نہیں پتا۔ لطائف کا بھی نہیں پتا۔ مراقباتِ ثلاثہ کا بھی نہیں پتا ہے۔ تو عرشی منازل کہاں چلے گئے۔ وہ جی، کرادیئے۔ کس نے کرائے؟ جی وہ صاحب مجاز نے کرائے۔ صاحب مجاز تو سارے فنا بقا تک کرا سکتے ہیں۔ اس سے آگے تو کوئی توجہ نہیں دے سکتا۔ کسی کو اجازت ہی نہیں۔ مجھے تو کرا دیئے۔ آپ کو کیوں کرادیئے؟ پردے کی بات ہے۔ پردے کی کیا بات ہے؟ میں جب بھی جاتا ہوں صاحب مجاز کی خدمت کرتا ہوں، کچھ پیسے دے آتا ہوں۔ اب اللہ جانے وہ بابا سچا ہے یا بابے کو غلطی لگی ہے۔ جب یہ بات ہوگی تو پھر اللہ کی رضا کہاں ہوگی؟ روزِ محشر کون جواب دے گا کہ تم نے اس بندے کو چند روپوں کی خاطر کس غلط فہمی میں ڈالا۔ کیا میرا نام، میرے نبی ﷺ کی محبت ایسی جنس تھی کہ تم چند روپوں کے عوض بیچتے رہے ہو اور اس سے جھوٹ بولتے رہے۔ تو ساری محنت نجات کے لیے ہے، اسے اپنے لیے مصیبت کیوں بنا لیا جائے۔ بہر حال جن درختوں پہ پھل پکتے ہیں ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو خراب ہو جاتے ہیں۔ اب سارا پھل تو ایک جیسا نہیں اُترتا۔ آبادیاں اور شہر پُر رونق بھی ہوتے ہیں لیکن انہی شہروں میں کچھ گھروں میں ماتم بھی ہو جاتے ہیں۔ تو یہ بھی ایک شہر کی مثال ہوتی ہے۔ کچھ لوگ شاداں و فرحاں ہوتے ہیں۔ کچھ جمالِ الٰہی کے طالب ہوتے ہیں۔ کچھ بدنصیب کیسوں کی طرح آجاتے ہیں۔ بس وہ دھکے ہی کھاتے رہتے ہیں۔ تو بہر حال ہر بندے کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور یہ خیال رکھنا چاہیے کہ میں عبادت اللہ ہی کی کر رہا ہوں یا اپنے نفس کی۔ اپنی عبادت کرے گا تو مارا جائے گا۔ اگر یہ تمنا ہوگی کہ کہیں سے پیسے حاصل کرلوں یا لوگ میرے پاؤں دبا دیں یا لوگ مجھ پر فدا ہو جائیں اور مجھے پیسے دیں تو پھر اللہ کی عبادت تو نہ رہی۔ اس طرح عبادت جو باعثِ حیات ہے وہ موت کا سبب بن جاتی ہے۔ جس طرح ایک دوا ہے وہ اگر مریض کو دیں تو وہ صحتیاب ہو جاتا ہے۔ اس کی خوراک ایک گولی ہے۔ آپ اس مریض کو دس گولیاں دے کے دیکھ لیں، اسی سے مر جائے گا۔ جو حیات کے لیے تھی وہ موت کا سبب بن جاتی ہے۔ جب بات حد سے بڑھ جاتی ہے، عبادات میں جب نظریہ بدلتا ہے تو اُن کی تاثیر بدل جاتی ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر 21 سے آگے

کسی قلب میں سلطانِ عشق کا ورود ہوتا ہے تو اس میں جو کچھ ارادات و خطرات تھے سب فنا ہو جاتے ہیں۔"

فرماتے ہیں کہ عشق الٰہی بھی حقیقتاً ایک سلطان ہے اور جب یہ دل میں داخل ہوتا ہے تو دل کو فتح کرتا ہے تو دل میں پہلے سے آباد رزائل اخلاق، تکبر، فخر، حسد یا بہت سی چیزیں جو دل میں بیٹھی تھیں ان کو تہہ و بالا کر دیتا ہے، ذلیل کر دیتا ہے، ان کو اٹھا کر پھینک دیتا ہے، رسوا کر دیتا ہے۔ وہ چیزیں نکل جاتی ہیں اور اللہ کی سلطنت حکومت وہاں قائم ہو جاتی ہے۔ تو انہوں نے یہ عجیب لفظ استعمال فرمایا ہے کہ کسی کے قلب میں سلطانِ عشق یعنی عشق الٰہی بھی بادشاہ ہے، سلطان ہے، جب یہ دل کو فتح کرتا ہے تو جب کوئی دنیاوی حکمران بادشاہ بزور بازو کسی شہر کو فتح کرتا ہے تو اس کو تہہ و بالا کر دیتا ہے اور وہاں کے بڑے بڑے رؤساء کو رسوا کر دیتا ہے۔ کوئی مارا جاتا ہے کوئی بھاگ جاتا ہے۔ تو اسی طرح دل میں حسد، تکبر، فخر، لالچ، جھوٹ جیسے بڑے بڑے بت ہوتے ہیں۔ لیکن جب سلطانِ عشق اس کو فتح کرتا ہے تو ان سب کو تہس نہس کر دیتا ہے، پھر وہاں اللہ کی محبت اور عشق الٰہی سے سکون ہو جاتا ہے۔

عورت کو انسانیت کا درجہ اسلام نے دیا

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

خواتین کے عالمی دن کے موقع پر لکھا گیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳﴾ (سورۃ الیل: 3) اور اس ذات کی قسم جس نے مذکر اور مونث پیدا فرمائے۔ بڑی عجیب قدرت باری ہے کہ اس نے تمام مخلوق میں نر اور مادہ پیدا فرما دیے، پرندوں، کیڑوں مکوڑوں اور انسانوں میں حتیٰ کہ درختوں تک نر اور مادہ درخت ہیں۔ بیٹا پیدا ہوتا ہے، وہی اس کی والدہ ہے وہی اس کا والد ہے وہی چھت ہے وہی گھر ہے، وہی کمرے ہیں وہی غذا ہے وہی لباس ہے۔ بیٹی پیدا ہوتی ہے، اس کے بھی وہی والدین ہیں وہی ماں ہے وہی باپ ہے لیکن بیٹے کا کردار اپنا ہے بیٹی کا کردار اپنا ہے۔ بیٹے کی جسمانی ساخت اپنی ہے بیٹی کی اپنی ہے۔ بیٹے کا قد کاٹھ اپنا ہے بیٹی کا اپنا ہے۔ بیٹے کا لباس اپنا ہے بیٹی کا اپنا ہے۔ استعدادِ کار کام کرنے کی طاقت مرد میں اور ہے خاتون میں اور ہے، کام کرنے کا فطری رجحان مرد کا اپنا ہے خاتون کا اپنا ہے۔ ذمہ داریاں مرد کی اپنی ہیں خاتون کی اپنی ہیں۔ اجر دونوں کو اس ایک احکم الحاکمین نے دینا ہے لیکن ایک جیسے کام پر نہیں دینا، اپنی اپنی ذمہ داری ادا کرنے پر دینا ہے مثلاً باپ کے ذمے ہے کہ وہ حلال رزق جائز وسائل سے پیدا کرکے اولاد کو پالے، ماں کے ذمے ہے کہ جو رزق باپ لاتا ہے اس کی حفاظت کرے اسے ضائع نہ کرے اور بچوں کو پیار سے پالے اور اچھی تربیت کرے۔ اب کام دونوں کے مختلف ہیں، ایک کا کام لانا ہے اور دوسرے کا کام خرچ کرنا ہے۔ اجر دونوں کو ملے گا اپنی اپنی ذمہ داری کس خلوص سے کس حد تک پوری کی؟ جیسے آپ کے پاس ملازمین ہیں یا فوج ہے تو فوج میں ایک افسر ہے اور دوسرا سپاہی، اب سپاہی کی اپنی ذمہ داری ہے افسر کی اپنی ذمہ داری ہے۔ سپاہی کو اگر انعام ملے گا تو اس کی اپنی جو ذمہ داری ہے اسے اچھی طرح ادا کرنے پر ملے گا، افسر کو انعام ملے گا جو اس کی اپنی ذمہ داری ہے وہ پوری کرنے پر ملے گا۔ ایسا نہیں ہوتا کہ سپاہی نے افسر کا کام کیا تو اسے انعام ملا، یا افسر نے سپاہی کی ڈیوٹی دی اسے انعام ملا، ایسا نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرد و عورت اجر میں برابر ہیں، مالک دونوں کا ایک ہے لیکن یہ تخلیق انسانی بتا رہی ہے کہ ہر شخص کے ہر کام کے نتائج اپنے ہیں، اگر کوئی خاتون ہے تو وہ خواتین کے ہی کام بخوبی ادا کر سکتی ہے۔

آج کل تہذیب جدید کا ایک مسئلہ چل نکلا ہے کہ مرد اور عورت برابر ہیں۔ جب چھٹی صدی عیسوی کے آخر اور ساتویں صدی کی ابتداء میں طلوعِ اسلام ہوا اور آقائے نامدار ﷺ مبعوث ہوئے تو اس وقت اس نقرے کے علمبردار کہاں تھے؟ آپ جانتے ہیں؟ یہ عورت کو انسان ہی نہیں سمجھتے تھے۔ ہندوستان میں خاوند مر جاتا تو زندہ عورت کو اس کے ساتھ جلا دیا جاتا یعنی عورت کی قیمت یہ تھی کہ اگر کوئی عورت بیوہ رہ جاتی، اگر خاوند کے ساتھ جلتی نہیں تھی اور دوسری شادی تو وہ کر ہی نہیں سکتی تھی لیکن اس کی زندگی موت سے بدتر ہو جاتی تھی۔ اس سے کوئی بات نہیں کرتا تھا، اسے کوئی کھانا دینا پسند نہیں کرتا تھا، کپڑے اچھے نہیں پہن سکتی تھی۔ میں افریقہ کے ایک سیاح کی ڈائری پڑھ رہا تھا اس نے لکھا میں ایک جگہ پہنچا تو ایک بوڑھیا گوشت پکا رہی تھی، اس نے مجھے دیا کہ یہ بہت مزیدار گوشت ہے، یہ بوٹی سب سے لذیز ہے تو میں نے پوچھا کہ یہ کس چیز کا گوشت ہے جو بڑے شوق سے پکا رہی ہو؟ تو کہنے لگی کہ ہمارے قبیلے کی ایک عورت تھی جوان اور اس کی چار، پانچ سال شادی رہی، اس کے ہاں اولاد نہیں تھی تو میاں نے گھر سے نکال دیا اور شادی کے بعد والدین تو گھر میں آنے نہیں دیتے تو وہ جنگل میں چلی گئی۔ میرے بیٹے اس کا شکار کر کے لائے تھے، یہ اس کا گوشت ہے اور یہ جو بوٹی میں تمہیں دے رہی ہوں یہ بازو کی مچھلی کی بوٹی ہے، یہ بڑی لذیز ہوتی ہے۔ چائینہ میں اب تک وہ تصاویر تاریخ کا حصہ ہیں کہ جب بچی پیدا ہوتی تو اسے لوہے کا جوتا پہنا دیا جاتا تاکہ یہ بڑی ہو کر چلنے پھرنے کے قابل ہی نہ رہے۔ بڑی ہو جائے لیکن پاؤں اتنے ہی رہیں اور یہ

آزادی سے چل پھر نہ سکے، کہیں آ جا نہ سکے، ہماری محتاج اور غلام ہی رہے۔ وسط ایشیائی ریاستوں میں جو چاہتا،، جسے چاہتا، چھین لیتا، پکڑ کر لے جاتا۔ یہ جو حقوق کے علمبردار بنے ہوئے ہیں ان کی تاریخ اس بات سے بھری پڑی ہے کہ بات بات پر عورتوں کو زندہ جلایا کرتے تھے اور کہتے تھے یہ Witch ہے جادوگرنی ہے اسے جلا دو، ایک کھمبا سا گاڑھ کر عورتوں کو اس کے ساتھ باندھ دیتے اور اس کے نیچے لکڑیاں رکھ کر آگ جلا کر تماشا دیکھا کرتے۔ یہ کہاں سے آ گئے حقوق کے علمبردار؟ عورت کو انہوں نے کیسے برابر کر دیا؟ یہ بڑا عجیب دھوکہ ہے کہ جو خاتون کی ذمہ داریاں تھیں وہ تو فطری تھیں اسے تو کوئی بدل نہیں سکتا، عورت تو وہ ہے، اس کا جسم عورتوں والا ہے، اس کا مزاج عورتوں والا ہے، اس کی قوت عورتوں والی ہے، بچے اسی نے پیدا کرنے ہیں۔ اب برابری کیا ہے؟ مرد کی ذمہ داریاں بھی اس پر ڈال دیں کہ تم بازار میں نکلو، تم روزی کماؤ، تم مشقت کرو، کیا ہوا؟ یعنی عورت کے کام تو تم نے ہی کرنے ہیں، تم مرد کے کام بھی کرو، برابر ہو گئی۔ کون سی برابری ہے؟ برابر کرو نا ایک بچہ خاتون کے پیٹ سے پیدا ہو، دوسرا مرد کے پیٹ سے پیدا ہو۔ اگلا پھر خاتون سے پیدا ہوگا اگلا مرد سے۔ برابری، برابری ہونی چاہیے۔ جو چیزیں فطری ہیں، تخلیقی ہیں ان میں برابری کا مفہوم اسلام میں یہ ہے کہ جو چیز جس کام کے لیے ہے پوری دیانتداری سے ہو، کام اس سے لیا جائے، دونوں سے برابر سلوک کیا جائے۔ جو جس کا کام نہیں ہے اس کا بوجھ اس پر نہ ڈالا جائے۔ جو جس کا حق بنتا ہے بلا تکلف اسے پہنچایا جائے، اس کے حصول میں دونوں برابر ہیں۔ ایک سپاہی اور ایک جرنیل برابر ہیں۔ سپاہی کو سپاہی کی تنخواہ بلا تکلیف مل جائے، جرنیل کو جرنیل کی تنخواہ بلا تکلف مل جائے۔ یہ برابری نہیں ہو سکتی کہ جرنیل اور سپاہی کی تنخواہ ایک برابر کر دی جائے۔ کوئی کر سکتا ہے ہمارے معاشرے میں؟ یہ دھوکہ ہے، فراڈ ہے اور خاتون کو رسوا کر دیا گیا۔ کیا عزت بچی خاتون کی؟ آپ مغرب کو اور غیر مسلم اقوام کو تو چھوڑیں میں اپنے ملک کے اخبارات روزانہ دیکھتا ہوں، میں سرورق اٹھاتا ہوں یا ویکلی (Weekly) ایڈیشن دیکھتا ہوں۔ میرا تاثر یہ ہے، ہو سکتا ہے میں غلط ہوں میری رائے خراب ہو، میرا تاثر یہ ہے کہ خواتین کی تصاویر اس طرح لگی ہوتی ہیں گویا یہ قوم بیبیوں کو نیلام کرنا چاہتی ہے۔ کوئی شرم نہیں ہے کوئی حیا نہیں ہے، کوئی اللہ کا خوف نہیں ہے، کوئی آخرت کی فکر نہیں ہے۔ عورت کا معنی ہے پوشیدہ چیز، چھپائی گئی چیز، پردے میں رکھی گئی چیز، جو فرد اخباروں کی زینت بن گیا وہ عورت کیسے رہی؟ انہی اخباروں میں اگلے روز پکوڑے بک رہے ہوتے ہیں، انہی میں اگلے روز جوتے لپیٹ کر لوگ لے جا رہے ہوتے ہیں۔ عورت کو انسانیت کا درجہ اسلام نے دیا اور اسلام دین فطرت ہے اور جو استعداد اللہ نے کسی میں پیدا کی ہے اس کے مطابق ذمہ داری نبھانے کا اللہ حکم دیتا ہے وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ۝(سورۃ الیل: 3) کہ قدرت اس بات پر گواہ ہے کہ جسے مرد بنایا ہے اس سے وہی کام ہوں گے جو مرد کی ذمہ داری فطرت نے رکھی ہے وَالْأُنْثَىٰ ۝۔۔۔ جسے مادہ بنا دیا ہے، ماں ایک ہے، باپ ایک ہے، ایک پیٹ سے پیدا ہوئے، ایک گھر میں پلے بڑھے لیکن خاتون کی ذمہ داریاں اپنی ہیں، مرد کی ذمہ داریاں اپنی ہیں۔ اس کا قد کاٹھ اپنا ہے، عورت کا اپنا ہے۔ مرد کی جسمانی قوت اپنی ہے خاتون کی اپنی ہے۔ مرد کی ذہنی قوت اپنی ہے عورت کی اپنی ہے۔ ہر چیز مزاج تک اپنے اپنے ہیں۔ اسلام نے خاتون کو مرد کے برابر کے حقوق دیے ہیں۔ عورت اور مرد برابر ہیں یعنی برابر اس بات میں ہیں کہ مرد اپنی ذمہ داری پوری کرے، عورت اپنی ذمہ داری پوری کرے، اس میں برابر ہیں۔ مرد سے وہ کام لیا جائے جو مردوں کے ذمے ہے، خاتون کو وہ ذمہ داری دی جائے جو خواتین کے ذمہ ہے، دونوں برابر ہیں۔ مرد کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جس کا وہ مستحق ہے، عورت کے ساتھ وہ عزت واحترام کا سلوک کیا جائے جس کی وہ مستحق ہے۔ برابری کا یہ مطلب ہے کہ دونوں سے جو اُن کی ذمہ داری قدرت نے لگائی ہے وہ کام پوری دیانتداری سے لیا جائے اور جو اُن کا حق بنتا ہے وہ برابر برابر دونوں کو بغیر کسی تکلف کے دیا جائے، یہ برابری ہے۔ ورنہ تو آپ ان دو انگلیوں کو برابر نہیں کر سکتے، کیا کریں گے؟ انگلی کو کاٹ دیں گے انگلی برابر ہو جائے؟ دو آنکھوں کی نظر برابر نہیں ہوتی، فرق ہوتا ہے، دو کانوں کی سماعت برابر نہیں ہوتی، سر کے سارے بال برابر نہیں ہوتے، دو ہاتھوں کی قوت برابر نہیں ہوتی، دائیں کی اور ہے بائیں کی اور ہے، آپ کس طرح برابری کریں گے؟ دائیں ہاتھ سے وہ کام لیا جائے جو دائیں ہاتھ کا ہے، بائیں ہاتھ سے وہ کام لیا جائے جو بائیں ہاتھ کا ہے، یہ برابری ہے۔ اس برابری کو صرف نام برابری کا دے کر نظام قدرت کو Disturb کرنا اس میں دخیل ہونا اس کو برباد کرنا یہ عورت کو کچھ دینا نہیں اسے تباہ کرنے کے مترادف ہے۔

۞۞۞

خواتین کا صفحہ

اُسوۂ صحابیات رضی اللہ عنہا

قبول اسلام:

لطافتِ طبع، رقتِ قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پندوموعظت، تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کرسکتا ہے۔ پھولوں کی پنکھڑیاں نسیمِ صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں لیکن تناور درخت کو بادِ صرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے۔ شعاع نگاہِ آئینہ کے اندر سے گذر جاتی ہے لیکن پتھروں پر فولادی تیر بھی نہیں اثر کرتے۔ بعینہٖ یہی حال انسان کا بھی ہے، لطیف الطبع اور رقیق القلب آدمی ہر دعوتِ حق کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے لیکن سنگدل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے۔ اس فرقِ مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے۔ کفار میں ہم کو بہت سے اشقیاء کے نام معلوم ہیں جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا لیکن صحابہ کرامؓ میں سینکڑوں بزرگ ہیں جو توحید کی آواز کے سننے کے ساتھ ہی اسلام کے حلقے میں داخل ہوگئے۔ صحابہؓ کے ساتھ صحابیاتؓ بھی اس فضیلت میں شریک ہیں اور نہ صرف شریک ہیں بلکہ ان سے اسبق و اقدم ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے ام المومنین خدیجہؓ نے بغیر کسی قسم کی کدوکاوش اور جبر و اکراہ کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی اپنے خدا کے آگے سر جھکایا، تاریخ ابن خمیس صفحہ نمبر 286 میں حضرت رافعؓ سے مروی ہے۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَصَلَّتْ خَدِيْجَةُ آخِرَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَصَلّٰى عَلِيٌّ يَوْمَ الثَّلَاثَاءِ مِنَ الْغَدِ ثُمَّ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ ثُمَّ اَبُوْبَكْرٍ

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں دوشنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہؓ نے اس دن کے آخری حصہ میں نماز پڑھی اور علیؓ نے دوسرے دن منگل کو نماز پڑھی، اس کے بعد زید بن حارثہؓ اور ابوبکرؓ شریک نماز ہوئے۔“

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتابِ رسالت سے پہلے دن جو شعاع افقِ عالم پر چمکی وہ ایک رقیق القلب مقدس خاتون کے سینۂ پرنور سے چھن کر نکلی۔

اعلانِ اسلام:

ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے سے زیادہ اظہارِ اسلام کے لئے ہمت، شجاعت اور جسارت کی ضرورت تھی لیکن باوجود کفار کی روک ٹوک۔ اور جور و ستم کے صحابہؓ کے ساتھ صحابیاتؓ نے بھی نہایت جرأت و بیباکی کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کیا چنانچہ ابتداء میں جن سات بزرگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا ان میں چھ آدمی یعنی خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت بلالؓ، حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ مرد تھے اور ساتویں ایک غریب صحابیہ یعنی حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ تھیں۔ (تاریخ ابن خمیس، ص: 257)

صحابیات نے اپنی نیک طینتی سے صرف آسانی کے ساتھ اسلام ہی کو قبول نہیں کیا، بلکہ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام کی اشاعت بھی کی، چنانچہ صحیح بخاری کتاب التیمم میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ایک سفر میں ایک عورت کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، اس کے پاس پانی کے مشکیزے تھے اور صحابہؓ نے پانی ہی کی ضرورت سے اس کو پکڑا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانی لیا تو اس کی قیمت ادا فرمائی، اس کو آپ کی اس دیانت سے اسی وقت آپ کی نبوت کا یقین آ گیا، اور اس کے اثر سے اس کا تمام قبیلہ بھی مسلمان ہوگیا۔

تحملِ شدائد:

صحابہ کرامؓ کے ساتھ صحابیاتؓ نے بھی اسلام کے لیے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔

حضرت سمیہؓ نے اسلام قبول کیا، تو ان کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں۔ سب سے سخت اذیت یہ تھی کہ ان کو مکہ کی تپتی ریت میں لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے لیکن بایں ہمہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہتی تھیں۔ ایک دن کفار نے حسب معمول ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا دیا تھا۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا تو فرمایا "صبر کرو تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے۔" لیکن کفار کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور ابو جہل نے ان کی ران میں برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرفِ شہادت ان ہی کو نصیب ہوا۔ اور صحابیاتؓ کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے کہ سب سے پہلے ایک صحابیہؓ نے اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے ایک صحابیہؓ نے ہی شرفِ شہادت حاصل کیا۔ (اسد الغابہ، تذکرہ حضرت سمیہؓ)

حضرت عمرؓ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمرؓ کو اس کا حال معلوم ہوا تو اس قدر مارا کہ بدن لہولہان ہو گیا لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرو، میں تو اسلام لا چکی۔

(ایضاً، تذکرہ حضرت عمرؓ)

لبینہؓ کو بھی حضرت عمرؓ مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کی بناء پر نہیں بلکہ تم کو اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں۔ اسی طرح وہ زنیرہؓ کو بھی جو ان کے گھرانے کی کنیز تھیں نہایت اذیت دیتے تھے۔

قطع علائق:

صحابہ کرامؓ ایمان لائے تو ان کے تمام رشتے ناتے منقطع ہو گئے لیکن اس سے ان کی قوتِ ایمانی میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا، صحابیاتؓ کی حالت اس معاملہ میں صحابہ کرامؓ سے بھی زیادہ نازک تھی۔ انسان اگرچہ اپنے تمام اعزہ واقارب کی اعانت کا محتاج ہوجاتا ہے لیکن عورت کی زندگی کا تمام تر دارومدار شوہر کی اعانت وامداد پر ہوتا ہے اور وہ کسی حالت میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتی، باپ بیٹے سے، بیٹا باپ سے قطع تعلق کر کے زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن عورت شوہر سے جدا ہو کر بالکل بیکس وبیچارہ ہوجاتی ہے لیکن بایں ہمہ صحابیاتؓ نے اسلام کے لیے اس نازک رشتے کو بھی منقطع کیا اور اپنے کافر شوہروں سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہوگئیں چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تُمۡسِكُوا بِعِصَمِ الۡكَوَافِرِ---

"کافرہ عورتوں سے تعلق نہ رکھو۔"

تو جس طرح صحابہ کرامؓ نے اپنی کافرہ عورتوں کو طلاق دے دی، اسی طرح بہت سی صحابیاتؓ بھی کافر شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے شوہر کے پاس واپس نہ گئی چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

ما نعلم ان احدا من المهاجرات ارتدت بعد ايمانها

(بخاری کتاب الشروط، ذکر صلح حدیبیہ)

Siqarah The Learning Hub International (SALHI)
A sister concern under Siqarah School System
Admissions Open Now
Play group,
Pre-Kindergarten(Nursery),
Kindergarten (Prep).
Cell: 0300-4245232
Offering American Education System
Opening Soon at
Dar-ul-Irfan, Munara
(Khushab Road, Dist Chakwal)

بچوں کا صفحہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

ع خان، لاہور

عرب سے شام کے راستے میں ''ودان'' نام کی ایک بستی میں قبیلہ غفار بھی رہتا تھا۔ عرب کے تاجر ملک شام یا اُس طرف کے دوسرے ممالک میں تجارت کے لیے جاتے تو راستے میں ''ودان'' ضرور قیام کرتے۔ اسی وجہ سے اس علاقے میں اس بستی کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ یہاں کے رہنے والے لوگوں کا اصل روزگار بھی عرب کے انہی قافلوں کے آنے جانے سے بندھا تھا۔ کبھی ان قافلوں کے آنے جانے میں دیر ہوجاتی یا عرب تاجر یہاں خرچ کرنے سے گریز کرتے تو یہاں کے لوگ لوٹ مار شروع کردیتے اور جو چیز ہاتھ لگتی اسے اپنے قبضہ میں کرلیتے تھے۔ یہاں کے لوگ بھی اس زمانے کے باقی لوگوں کی طرح بت پرستی کی لعنت میں مبتلا تھے۔ جُندب بن جنادہ جن کی کنیت ابوذرؓ تھی کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ لیکن انہیں بتوں اور بت پرستی سے سخت نفرت تھی۔ آپؓ اس وقت بھی اپنے قبیلے میں اپنی دوراندیشی اور دانشمندی کی وجہ سے ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ اسی طرح آپؓ اپنی جرأت اور بہادری کی وجہ سے سارے قبیلے میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کو اُس وقت بھی اس بات کا شدید احساس تھا کہ اہلِ عرب عقیدہ کی خرابی میں مبتلا ہیں اور اسی وجہ سے آپؓ اُن نئے نبیؑ کے انتظار میں تھے جن کے متعلق آپؓ علماء سے سنتے رہتے تھے کہ ایک نئے نبیؑ کا ظہور ہونے والا ہے جو لوگوں میں نیکی کا شعور پیدا کر کے انہیں گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لائیں گے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کو جب پتا چلا کہ مکہ معظمہ میں ایک مبارک ہستی نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا ہے تو آپؓ نے اپنے بھائی انیسؓ سے کہا کہ آپ مکہ معظمہ جا کر ذرا پتا تو کریں کہ جنھوں نے نبوت کا اعلان فرمایا ہے وہ لوگوں کو کس بات کی دعوت دے رہے رہیں۔ حضرت انیسؓ مکہ معظمہ پہنچ کر سیدھا نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کی مبارک مجلس میں بیٹھ کر تمام حالات کا جائزہ لیا، حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ کی باتیں سنیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے کفار کے مسلمانوں پر شدید مظالم کو بھی نوٹ کیا اور واپس لوٹ آئے۔ جب حضرت انیسؓ واپس اپنی بستی میں پہنچے تو حضرت ابوذر غفاریؓ کو اپنے شدید انتظار میں پایا۔ حضرت انیسؓ نے اپنے بھائی کو وہاں کے سارے حالات کہہ سنائے کہ خدا کی قسم! میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ تو لوگوں کو اچھے اخلاق کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ آپؐ کی مبارک گفتگو اس قدر پُرتاثیر ہوتی ہے کہ سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے پوچھا کہ وہاں کے لوگوں کی نئے نبی ﷺ کے متعلق کیا رائے ہے؟ حضرت انیسؓ نے بتایا کہ جو لوگ اُن پر ایمان نہیں لائے وہ انہیں جادوگر، نجومی اور شاعر کہتے ہیں حالانکہ اُن کی گفتگو انتہائی مربوط ہوتی ہے اور اس پر شعر گوئی کا اطلاق بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس پر حضرت ابوذر غفاریؓ نے بھائی سے کہا کہ میں خود جا کر سارے حالات دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ چند دن میرے اہل و عیال کا خیال رکھیں اس پر حضرت انیسؓ نے بھائی کو کفار کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کا بتایا اور محتاط رہنے کا مشورہ دیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے پانی کا ایک چھوٹا سا مشکیزہ اور کچھ کھانے کا سامان لیا اور پیدل ہی مکہ معظمہ کی طرف چل پڑے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر آپؓ نے سارا دن حالات کا جائزہ لیا کہ جو شخص بھی نبی اکرم ﷺ کے متعلق پوچھتا ہے یا ان کی ذات میں دلچسپی لیتا ہے کفار اس شخص کے جانی دشمن بن جاتے ہیں۔ آپؓ سارا دن وہیں خانہ کعبہ کے آس پاس رہے لیکن کسی سے حضور اکرم ﷺ کے متعلق پوچھ

نہ پائے کہ کسی کو وہاں جانتے ہی نہ تھے، حتیٰ کہ کھانا ختم ہو چکا تھا اور آبِ زم زم پر گزارا تھا۔ رات ہوئی تو حضرت علیؓ کی حضرت ابوذر غفاریؓ پر نظر پڑی۔ مسافر جان کر اُس زمانے کے رواج کے مطابق اپنے ساتھ گھر چلنے کی دعوت دی۔ وہاں انہیں کھانا کھلایا اور بستر دیا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے بڑے آرام سے رات بسر کی لیکن نہ ہی حضرت علیؓ نے مکہ معظمہ آپؓ کی آمد کا مقصد پوچھا اور نہ ہی حضرت ابوذر غفاریؓ نے کچھ بتایا۔ اگلی صبح حضرت ابوذرؓ پھر خانہ کعبہ تشریف لے گئے اور سارا دن آبِ زم زم پی کر گزارا کیا لیکن کسی سے حضور اکرم ﷺ کے متعلق نہ پوچھ سکے۔ رات ہوئی تو حضرت علیؓ نے آپؓ کو دیکھا اور سوچا کہ اس مسافر کا شاید کام نہیں ہو سکا تو اُن کو پھر گھر لے گئے۔ کھانا کھلایا اور بستر دیا۔ اگلی صبح حضرت ابوذر غفاریؓ پھر سے جا کر خانہ کعبہ کے پاس بیٹھ گئے لیکن کسی سے نبیٔ اکرم ﷺ کے متعلق نہ پوچھ پائے کیونکہ وہ دیکھ چکے تھے کہ کفار کا رویہ مسلمانوں کے لیے بیحد ظالمانہ ہے۔ اسی طرح سارا دن صرف آبِ زم زم پی کر گزار دیا۔ رات ہوئی تو پھر حضرت علیؓ مہمان کو گھر لے گئے اور کھانا کھلایا اور مکہ معظمہ میں آنے کا مقصد پوچھا۔ اس پر حضرت ابوذر غفاریؓ فرمانے لگے کہ اگر آپؓ وعدہ کریں کہ میری صحیح راہنمائی کریں گے تو میں آپؓ کو اپنے دل کی بات بتائے دیتا ہوں۔ حضرت علیؓ کے وعدہ کرنے پر انہوں نے بتایا کہ میں پیدل اتنی دور سفر کر کے صرف اس ہستیٔ مبارک کی زیارت کے لیے آیا ہوں جنہوں نے نبوت کا اعلان فرمایا ہے۔ میں اپنے کانوں سے اُن کی مبارک باتیں سننا چاہتا ہوں۔ حضرت علیؓ کو جب حضرت ابوذر غفاریؓ کی مکہ معظمہ آمد کی وجہ معلوم ہوئی تو بے حد خوش ہوئے۔ حضرت علیؓ نے انہیں بتایا کہ اللہ کی قسم! حضور اکرم ﷺ اللہ کے سچے نبیؐ اور رسول ہیں، پھر حضرت علیؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو حضور اکرم ﷺ کے متعلق تفصیلی معلومات فراہم کیں اور ساتھ میں فرمایا کہ کل صبح آپؓ میرے پیچھے پیچھے چلتے آئیں۔ اگر میں نے راستے میں کہیں کوئی خطرہ محسوس کیا تو میں رُک جاؤں گا لیکن آپؓ چلتے رہیں۔ جب میں کسی گھر میں داخل ہو جاؤں تو آپ بھی میرے پیچھے پیچھے اندر آجائیں۔

اگلی صبح طے شدہ پروگرام کے مطابق حضرت علیؓ اس گھر کی طرف روانہ ہوئے جہاں حضور اکرم ﷺ تشریف رکھتے تھے۔ پیچھے پیچھے حضرت ابوذر غفاریؓ بہت محتاط انداز سے چلے آرہے تھے۔ منزل پر پہنچ کر حضرت علیؓ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پیچھے پیچھے حضرت ابوذر غفاریؓ بھی گھر کے اندر تشریف لے آئے، اندر آتے ہی حضورِ اکرم ﷺ پر نگاہ پڑی تو بے اختیار فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہ۔۔۔

حضور اکرم ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا:

وَعَلَیْكَ السَّلَامُ اللہِ وَرَحْمَتُہٗ وَبَرَکَاتُہٗ۔۔۔

یوں تاریخ اسلام میں حضرت ابوذر غفاریؓ کو سب سے پہلے حضورِ اکرم ﷺ کو اس طرح سلام کرنے کا اور ان الفاظ میں سلام کرنے کا شرف حاصل ہوا اور پھر سلام کا یہی طریقہ مسلمانوں میں رائج ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو اسلام کی دعوت دی اور چند آیاتِ مبارکہ پڑھ کر سنائیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ آپؓ چوتھے یا پانچویں صحابی ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں پہل کی۔

اس کے بعد حضرت ابوذر غفاریؓ چند دن تک حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس ہی میں رہے اور نبیٔ اکرم ﷺ سے اسلام کے بنیادی مسائل اور قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی۔ ایک دن حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو فرمایا کہ ابھی یہاں اپنے مسلمان ہونے کا کسی کو نہ بتانا، مجھے اندیشہ ہے کہ اگر کسی کو پتا چل گیا کہ آپؓ مسلمان ہو گئے ہیں تو کہیں کوئی آپؓ کو اس جرم کی پاداش میں قتل ہی نہ کر دے۔ اس پر حضرت ابوذر غفاریؓ نے خدمتِ عالی میں عرض کی کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، دل چاہتا ہے کہ مکہ معظمہ سے جانے سے پہلے ایک دفعہ ان کفار کے سامنے کلمۂ حق پڑھ کر جاؤں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے جوش و جذبات دیکھ کر نبی اکرم ﷺ خاموش ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ کی خاموشی کو اجازت جان کر ایک روز حضرت ابوذر غفاریؓ خانہ کعبہ کی طرف گئے۔ وہاں کچھ لوگ بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے باآوازِ بلند فرمایا:

اے خاندانِ قریش! میں صدق دل سے اقرار کرتا ہوں۔
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔۔۔
ابھی حضرت ابوذر غفاریؓ کے الفاظ اُن بیٹھے ہوئے لوگوں کے کانوں سے ٹکرائے ہوں گے کہ وہ لوگ غصے میں حضرت ابوذر غفاریؓ پر ٹوٹ پڑے اور قریب تھا کہ مار مار کر آپؓ کو جان ہی سے مار دیتے کہ حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) اٹھے اور کفار اور حضرت ابوذر غفاریؓ کے درمیان آ کر بولے کہ عقل کے اندھو! کیا تباہی تمہارا مقدر بن گئی ہے؟ کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو قبیلہ غفار سے تعلق رکھتا ہے؟ یہ سن کر وہ لوگ آپؓ کو مارنے سے رُک گئے۔ جب حضرت ابوذر غفاریؓ کو ہوش آیا اور آپؓ زخموں سے نڈھال حالت میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم ﷺ ان کی یہ حالت دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا کہ میں نے آپؓ کو ابھی اسلام کا اعلان کرنے سے روکا نہیں تھا؟ پھر حضور اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اب آپؓ اپنی قوم کے پاس واپس چلے جائیں۔ یہاں جو سنا اور دیکھا انہیں جا کر بتائیں۔ انہیں اسلام کی دعوت دیں، شاید آپؓ کے ذریعہ انہیں فائدہ ہو اور ان کی کایا پلٹ جائے اور آپؓ کو اللہ تعالیٰ اجر و ثواب عطا فرمائیں۔ جب آپؓ کو یہ خبر ملے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے غلبہ حاصل ہوگیا ہے تو سیدھے میرے پاس چلے آنا۔ حضور اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں حضرت ابوذر غفاریؓ اپنی قوم کے پاس واپس تشریف لے گئے، جب حضرت ابوذر غفاری واپس اپنی بستی میں پہنچے تو سب سے پہلے آپؓ کو آپؓ کے بھائی حضرت انیسؓ ملے۔ انہوں نے آپؓ سے سفر کا حال جاننا چاہا تو آپؓ نے انہیں بتایا کہ میں تو مسلمان ہو چکا ہوں۔ وہاں گیا تو رسول اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، آپ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کیا اور آپ ﷺ سے اسلام کی بنیادی تعلیمات حاصل کیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی باتوں سے متاثر ہو کر اُن کے بھائی حضرت انیسؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ پھر دونوں بھائی اپنی والدہ کے پاس آئے اور اُن کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کیں اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ وہ بھی فوراً اسلام قبول کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی نعمت سے سرفراز ہوگئیں۔ اسی روز سے یہ صالح مومن گھرانہ قبیلہ غفار کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے میں دل و جان سے مصروف ہوگیا۔ ان کی دعوت سے متاثر ہو کر قبیلہ غفار کے بہت سے لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہوگئے۔ چند افراد جو رہ گئے تھے وہ بھی نبی اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے ساتھ ہی مسلمان ہوگئے۔ نبی اکرم ﷺ نے دعا فرمائی کہ قبیلہ غفار کی اللہ تعالیٰ مغفرت کرے اور قبیلہ بنو اسلم کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ مکہ معظمہ سے واپس آنے کے بعد اپنی بستی ہی میں مقیم رہے اور یہاں دین اسلام کی تبلیغ میں اپنے دن رات بسر کرتے رہے۔ جب غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق کے واقعات ہوئے تو آپؓ ابھی اپنی بستی ہی میں مقیم تھے۔ جب حضرت ابوذر غفاریؓ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہ تینوں غزوات ہو چکے تھے، آپؓ سیدھے نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے اور پھر ہمیشہ کے لیے وہیں کے ہو رہے۔ آپؓ ہر وقت آپ ﷺ کی خدمت میں مصروف رہتے، یہ سعادت اور خوش قسمتی وافر مقدار میں حضرت ابو ذر غفاریؓ کے حصہ میں آئی۔ رسول اکرم ﷺ بھی حضرت ابوذر غفاریؓ کے ساتھ بہت شفقت فرماتے، وقتِ ملاقات مصافحہ فرماتے اور خوشی کا اظہار کرتے۔

حضور اکرم ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حضرت ابوذر غفاریؓ بیحد بے چین رہنے لگے۔ آقائے نامدار حضور اکرم ﷺ کے بغیر آپؓ سے وہاں رہنا مشکل ہوگیا تو آپؓ شام تشریف لے گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں دمشق کی طرف تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت عثمانِ غنیؓ نے آپؓ کو مدینہ منورہ واپس بلا لیا، اور حضرت عثمان غنیؓ ہی کے مشورہ سے آپ مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی "ربذہ"، منتقل ہوگئے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ آخرت کی طرف بے حد متوجہ رہتے اور اپنے ہر کام میں آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے تھے۔

آسمانِ زہد و تقویٰ کا یہ روشن ستارہ 32ھ کو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا:
ارض و سماء نے آج تک ابوذرؓ سے بڑھ کر کوئی صادقِ دل نہ دیکھا ہوگا۔"

سائی جمیلہ

ایمان کی حقیقت

الاخوات، لاہور

الاخوات لاہور کے زیر اہتمام ہفتہ 14 جنوری 2017ء کو "ایمان کی حقیقت" پر ایک گفتگو کا انعقاد کیا گیا۔ اس موضوع پر گفتگو کے لیے الاخوات کی سپیکر محترمہ خدیجہ رئیس صاحبہ کو مدعو کیا گیا۔ اس محفل کا انعقاد حسبِ سابق زرینہ مال لبرٹی مارکیٹ کی مسجد میں کیا گیا۔ الاخوات کی ساتھیوں نے بھرپور شرکت کی اور مہمان خواتین بھی تشریف لائیں۔ پروگرام کا آغاز تلاوتِ قرآنِ کریم سے کیا گیا۔ سورۃ الانفال کی آیات 2 تا 4 تلاوت کی گئیں جن میں حقیقی مومنین کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

محترمہ خدیجہ رئیس نے اس حقیقت کو بار بار دہرایا کہ ہمیں اپنے ایمان کی فکر کرنی ہوگی۔ اُنہوں نے فرمایا کہ کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ایسے الفاظ ہیں جو کفر کے اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آتے ہیں۔ انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس کو زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ تمام مخلوق اللہ کی اطاعت گزار ہے لیکن حاکم کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتی۔ یہ انسان ہے جسے اللہ نے اپنی معرفت کی استعداد اور قوت دی ہے اور اللہ کی معرفت حاصل کرنا ہی اُس کا مقصدِ حیات ہے۔ انسان ہی کو "روح" عطا ہوئی اور اللہ کریم نے عالمِ امر سے اُس میں روح پھونکی۔ بچہ جب دنیا میں آتا ہے تو بالغ روح کے ساتھ آتا ہے۔ الحمدللہ! مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے والے بچے کے کان میں پہلی آواز ہی اللہ کی کبریائی کا اعلان یعنی اذان دی جاتی ہے۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس کے ساتھ ہی اُسے اللہ سے تعلق عطا ہو جاتا ہے۔ ہم ایک مسلمان گھرانے میں رہتے ہیں، ہمارا ماحول مسلم ہے۔ ہمیں دین کے حوالے سے باتیں بھی آتی ہیں تو پھر مسئلہ کیا ہے، کہاں ہے؟

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اسلام تو قبول کر لیا مگر ایمان دلوں میں نہیں اترا۔ ہم اپنے مسلمان ہونے پر فخر نہیں کرتے اور احکاماتِ الٰہی کو مانتے نہیں ہیں۔ ہمارے دلوں میں غور کرنے پر پتا چلتا ہے کہ ایمان برائے نام ہے۔ اُس میں اتنی قوت نہیں جو زندگی کو اطاعتِ الٰہی کے سانچے میں ڈھال سکے۔ انہوں نے فرمایا کہ محض ماحول کا مسلمان ہونا کافی نہیں ہے۔ ایمان کا پہلا قدم سوچ کی تبدیلی ہے۔ ہم اشرف المخلوقات پیدا ہوئے ہیں تو ہمیں اپنا محاسبہ کرنا ہوگا کہ ہماری سوچ اور عمل بہترین ہونے چاہئیں۔ ہمیں اس بات پہ فخر ہونا چاہیے کہ اللہ کریم ہمیں چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس زندگی کی مہلت ہے اسی میں ہم نے مقصدِ حیات پانا ہے۔ اسی شرف کو قائم کرنے کے لیے پہلی شرط آپ ﷺ سے تعلق جوڑنا ہے۔ یہیں سے بات شروع ہوتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے انبیاء تشریف لائے اُن کا یہی کام تھا کہ مخلوق کا تعلق اُن کے خالق سے جوڑ دیں۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت تمام زمانوں اور انسانوں کے لیے تھی۔ آپ ﷺ نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسولؐ بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

آج لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ صحابیؓ بننا تو آسان تھا۔ آپ ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے اُن کو دیکھا اور اُنہوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ اگر غور کیا جائے تو یہ آسان نہیں تھا۔ اُس دور میں جس نے کلمہ پڑھا وہ جانتا تھا کہ وہ کس مشکل کو دعوت دے رہا ہے۔ کون سی ایسی مصیبت تھی جو اہلِ مکہ نے صحابہؓ پر نہیں توڑی! ایمان قبول کرنے والے جانتے تھے کہ وہ ذہنی، جسمانی ایذا کا نشانہ بھی بنیں گے اور اُن کے خاندان بھی تہ تیغ کر دیئے جائیں گے لیکن اُن کے خلوص میں وہ قوت تھی کہ کلمہ پڑھا اور اُس پر ڈٹ گئے۔ اُنہیں رسول اللہ ﷺ سے عشق تھا۔ یہی ایمان ہے۔ ہمیں بھی یہ عشق و جنوں پانا ہے تبھی ہم ایمان پر آئیں گے۔

ایمان ایک کیفیت کا نام ہے اور یہ دل میں جاگزیں ہوتی ہے۔ ہم ایمان لائیں اور اس پر جم جائیں، اور اس کی حفاظت تادم واپسیں کریں تو سرخرو ہوں گے۔ جس کے پاس جتنی قیمتی چیز ہوتی ہے اتنی ہی اُس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ ہمارے پاس ایمان ہے اور اس کی حفاظت سب سے اہم کام ہے۔ ہمارے ازلی دشمن شیطان کا بھی حملہ شدید ہے۔ ہمیں اپنی حفاظت خود کرنی ہے اپنا آپ سنبھال کر چلنا ہے۔ ایمان کو کھو دینے میں بھی ایک پل نہیں لگتا۔ اپنے اپنے ایمان کا محاسبہ ہمیں خود کرتے رہنا چاہیے۔ اگر ہمارے اندر اترتی ہوئی سوچ کو ہماری ذاتی خواہشات اور حالات متاثر کرتے ہیں تو فکر کی بات ہے۔ اگر ہم زندگی محض ردِعمل کے زمرے میں گزار رہے ہیں تو لمحۂ فکریہ ہے۔ اُس نے یہ کیا لہٰذا میں بھی اُس کو یہ جواب دوں۔ ہمارے معاملات ادلے بدلے کے بن جاتے ہیں جن میں اللہ کہیں نہیں ہے۔ اللہ کریم کو زندگی میں کیسے لائیں؟ اللہ کی یاد سے دلوں کو آباد کر کے۔ ایمان کی حفاظت کے لیے ذکر اللہ کریں۔ ہمارے شیخ المکرم مدظلہٗ العالی برکاتِ نبوت ﷺ سے ہمارے دلوں کو سیراب فرما رہے ہیں۔ ہم اُن سے اسی لیے جُڑے ہیں تاکہ اپنا علاج کریں۔ اپنی اصلاح کریں اور ایمان پر قائم رہیں۔ شیخ اور مرید کا رشتہ والد اور بچے جیسا ہے۔ شیخ المکرمؒ مدظلہٗ العالی ہماری رہنمائی فرماتے ہیں۔ محبت کے ساتھ ہمیں حقیقت پسند بناتے ہیں۔ مومن حقیقت کے ساتھ چلتا ہے۔ حقائق دیکھتا ہے۔ مومن پر غصہ طاری نہیں ہوتا کیونکہ اس کا دل عشقِ رسول ﷺ سے لبریز ہوتا ہے۔ مومن کے لیے گناہ کرنا آسان نہیں رہتا اور ہو جائے تو اُس پر اصرار نہیں کرتا بلکہ اُسے دکھ ہوتا ہے اور وہ توبہ کرتا ہے۔

قرآنِ کریم میں ہر اچھی بات پر خوشخبری اور نافرمانی پر تنبیہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے یاد دلاتے ہیں کہ انسان کو کسی بھی لمحے لوٹ کر جانا ہے لہٰذا اس کی تیاری کرے۔ مومن ہر لمحہ اُسی تیاری میں مگن رہتا ہے۔ زندگی دنیا میں گزارتا ہے بسر آخرت میں کرتا ہے۔ مومن کی پہچان ہے کہ اس کی روح چمکدار اور خوشبودار ہوتی ہے تو فرشتے پہچان لیں گے کہ یہ مومن کی روح ہے۔ داغدار روح کو تو فرشتے ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔ قرآنِ پاک میں بارہا ارشاد ہوتا ہے کہ غور و فکر کرو۔ ہمارے ساتھ ہمارا اللہ ہے۔ ہمارے لئے دعا گو ہمارے رسول ﷺ ہیں اور ہمارے لیے راہنما قرآنِ کریم ہے۔ ہمارے ساتھ حفاظتِ الٰہیہ ہے یہ احساس ہمیں جگاتا ہے۔ ہمیں تمام رشتے نبھانے ہیں کہ سب کی پُرسش ہوگی۔ ہم سب خطرے میں ہیں اور تادم واپسیں ایک مسلسل جہاد ہے۔ ہمیں جتنے مراقبات بھی مل جائیں پھر بھی خطرے میں ہیں۔ ہمیں اُن کی حفاظت کرنی ہے۔ اپنی بنیاد کو مضبوط رکھنا ہے کہ ہر جذبے کو جذب کریں۔ ہر نماز، ہر سنت، ہر ذکر کو اپنے اندر جذب کریں اور آگے چلیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ میں کچھ بھی نہیں۔ جو عطا ہوا ہے وہ محض اللہ کا کرم ہے۔ اس راہ میں اگر حصولِ دنیا مقصد بن گئی تو حصولِ آخرت مشکل ہو جائے گا۔ جو صرف اللہ کے لئے آئے گا وہ دامن بھر لے گا۔ اُسے اللہ کبھی خالی نہیں چھوڑیں گے، لینے کا سلیقہ آتا ہو۔ ایمان کی پہچان ہی یہ ہے کہ انسان کی سوچ کا دھارا بدل جائے۔ شکر گزاری کو شعار بنالیا جائے اور ہر ایک سے نیک گمان رکھا جائے۔ اگر مراقبات اور عبادات کے باوجود ہر ایک سے بدگمانی رہے تو ایمان کی خبر لیں۔

یاد رہے منافقت کے دھبے دھونا مشکل ہو جاتا ہے کہ منافقت محسوس ہی نہیں ہوتی، خاموشی سے در آتی ہے۔ اللہ کریم سے دعا مانگیں کہ منافقت سے بچا لیں۔ یا اللہ! ہمیں ہماری روحانی کمزوریاں اور خامیاں محسوس کرا دیں اور ان سے صحت عطا کر دیں۔ اللہ کا کرم ہے کہ وہ بہت معاف کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ کو مبعوث فرما کر انسانوں کے ہر دکھوں کا مداوا فرما دیا۔ مومن کی روح کی ہر بیماری کا علاج برکاتِ نبوت میں سمو دیا۔

محترمہ سپیکر نے فرمایا کہ کوئی تسلی سے نہ بیٹھے اور کوئی کسی دوسرے کا حال نہ دیکھے۔ اپنا محاسبہ کریں۔ اپنے قلب کی اصلاح کریں۔ اپنے تعلق کو اللہ سے مضبوط کریں اور اپنے حال پر رحم کریں۔ غیبت اور چغلی سے دلوں کو غبار آلود نہ کریں۔ اپنے نفس اور قلب کی صفائی میں مگن رہیں۔ ذکرِ قلبی کا طریقہ سکھایا گیا اور حاضرینِ محفل کو ذکر کروایا بھی گیا یوں یہ انتہائی پُراثر اور ایمان افروز محفل اختتام پذیر ہوئی۔ سامعین ایک نئے جذبۂ احتساب سے سرشار ہوئے اور ایمان کی حقیقت سے آشنائی اور نزاکت کا ادراک لیے رخصت ہوئے۔

اللہ کریم الاخوات لاہور کی کوشش قبول فرمائیں اور مزید توفیقِ عمل ارزاں فرمائیں۔

طب

امراضِ معدہ

حکیم عبدالماجد اعوان (سرگودھا)

معدہ کو انسانی وجود میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ جو بھی غذا ہم کھاتے ہیں خوراک کی نالی سے ہو کر پہلے معدہ میں جاتی ہے جہاں سے انہضام کا عمل شروع ہوتا ہے۔ معدہ کی امراض میں مستقل مبتلا رہنے والے شخص سے آپ ملیں، اس کی بات سنیں تو پتہ چلے گا کہ یہ کتنی تکلیف دہ مرض ہے۔ معدہ کی کچھ امراض میں اگر آپ ٹیسٹ کروائیں گے تو بالکل نارمل آئیں گے، جس سے مختلف معالج مریض کو یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ وہم کرتے ہیں، آپ ٹینشن لیتے ہیں یا پھر کوئی خواب آور ادویات دے دیتے ہیں۔ وقتی طور پر سکون آور ادویات کے استعمال سے وہ کچھ سکون محسوس کرنے لگتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہ مطمئن نہیں ہوتا اور اس کا مرض نہیں جاتا۔

تبخیر معدہ:

ایک ایسی مرض ہے جس سے مریض کے دل کی دھڑکن اچانک تیز ہو جاتی ہے۔ دل بار بار دھڑکتا ہے، گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ مریض خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ شاید میری زندگی ختم ہونے والی ہے۔ کچھ مریض فوری طور پر ماہر امراض قلب کو چیک کرواتے ہیں۔ لیکن جب مریض یہ سنتا ہے کہ اس کے سارے ٹیسٹ نارمل ہیں تو وہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ اگر ٹیسٹ نارمل ہیں تو پھر مجھے اتنی تکلیف کیوں؟

میرے کلینک پر ایک ایمبولینس آ کر رکی، ایک مریض کو سٹریچر پر لٹایا ہوا تھا، ساتھ 5،4 آدمی تھے۔ جب رپورٹ لی تو پتہ چلا کہ ایک ہفتہ سے سرگودھا کے ایک مشہور ہارٹ سنٹر میں داخل تھے۔ ہر طرح کے ٹیسٹ انہوں نے کیے۔ مریض ہفتہ بھر ماہر ڈاکٹر کے زیر نگرانی رہا لیکن مریض کو کسی قسم کا کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ میں نے رپورٹس کو چیک کیا، اس کی علامات ساری تبخیر معدہ کی تھی، اسی کو مدنظر رکھ کر دوائیں تجویز کیں۔ وہ اب اپنی نارمل زندگی گزار رہا ہے۔ اس طرح کی روز کئی مثالیں سامنے آتی ہیں۔

المرشد کے قارئین سے صرف اتنی ہی گزارش ہے کہ کاش ہم آپ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنے کھانے پینے کے معمولات کو سیٹ کر لیں تو اس میں دنیاوی بھی فائدہ ہوگا اور اُخروی بھی۔

تبخیر معدہ کے اسباب:

سوڈا واٹر کی بوتلوں کا بکثرت استعمال، کھانا جلدی جلدی کھانا اور چبائے بغیر نگلنے کی عادت، کثرت سے پان کھانا، تمباکو اور نسوار رکھنے کی عادت، زیادہ مرچوں والی اور مصالحہ دار اغذیہ کا استعمال، مٹھائیوں اور بیکری کی اشیاء کا بکثرت استعمال، ذہنی تفکرات، صدمات اور ہر وقت پریشان رہنا جلتے کڑھتے رہنا اس کے ساتھ ساتھ دائمی قبض کو ختم کرنے اور جراثیم کش ادویات کا بکثرت استعمال بھی تبخیر معدہ کا سبب بنتا ہے۔ تیزابیت معدہ کی زیادتی بھی تبخیر معدہ کا سبب بنتی ہے، بکثرت اچار لیموں کا استعمال اکثر تبخیر اور معدہ میں جلن پیدا کرتی ہیں۔ ایک سروے کے مطابق دنیا میں 5 فیصد افراد ایسے بھی ہیں جن میں پیدائشی طور پر بھی ان کے معدہ میں تیزاب پیدا نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے خوراک زیادہ دیر تک ان کے معدہ میں رہتی ہے۔ خوراک کے زیادہ دیر معدہ میں رہنے اور ہاضمے کا عمل سست ہونے کی وجہ سے بھی تبخیر معدہ پیدا ہوتی ہے۔ ٹھنڈی چیزوں کا بکثرت استعمال، پانی کا زیادہ پینا، چائے کی کثرت اور کھانے کے بعد فوراً سو جانا بھی تبخیر معدہ کا سبب بنتا ہے۔

(جاری ہے)

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم : کثرت سے حج اور عمرہ کرنے والا غریب اور محتاج نہ رہے گا۔
ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

زیارت حرمین شریفین اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ہماری خدمات حاصل کریں

احباب سلسلہ کیلئے اسپیشل ڈسکاؤنٹ اور بہترین سروس کیساتھ۔

ساتھیوں کو گروپ کی شکل میں بھی بھیجا جاسکتا ہے
ایڈوانس رابطہ کیجئے۔

سستے ترین عمرہ پیکیج

اکانومی
بجٹ اکانومی پلس سٹارز ہوٹلز
پیکیجز دستیاب ہیں

اور تمام ائرلائنز کی ٹکٹیں ایڈوانس بکنگ کیساتھ فوری دستیاب ہیں
نیز سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک کے
ورک ویزوں کے پراسس کیلئے ہماری خدمات حاصل کریں۔

العروج انٹرنیشنل ٹریولز

IATA PIA Come Fly With Us & PSA

GOVT LIC 2223

اینڈ اوورسیز ایمپلائمنٹ پرموٹرز
لائسنس نمبر LHR-1559

اکال والا روڈ عبداللہ چوک ٹوبہ ٹیک سنگھ
0334-6289958
0334-0694165
046-2511559
046-2512559
WhatsApp: 0334-6289958
Email:alarooj@hotmail.com

time in Arabia we have already offered Isha here. Thus, you cannot offer the same salat at different places. This whole demand and logic that we should celebrate Eid with Arabia, is not valid. If we do not see or witness the moon after the sunset it is possible that in Arabia which is two hours behind us, the moon is sighted. The Prophet (SAWS) said that when the sky is overcast than count Shabaan as of thirty days. (Sahih Muslim, Bukhari). This means that if the sky is not clear and the clouds bar visibility and no witness of moon sighting is available then the Shabaan will be of thirty days. It is forbidden to fast, on estimation or chance but in our country the worships are no longer done to attain Allah's Pleasure but to satisfy egos.

At Darulirfan, we tried to calculate, with utmost accuracy, the timings of sunrise and sunset, based on the longitude and latitude of the area; here the fast ends exactly with the sunset. The nearby people also avail of the accurate announcement and end their fast accordingly. However, in some mosques Iftar is announced by the people, as per their wishes. Some will announce it two or four minutes earlier while others, four minutes later. They are not concerned with the accurate timings, for Iftar, but only with their own importance. This attitude is not desirable in Islam. If the people follow our timetable to begin or end their fast what will we get out of it? If people do not end their fast with us what do we lose? Every one is answerable before Allah (SWT) and nobody should make religion, a source for satisfying his ego.

Unfortunately, our ruling class has dragged religion into political manipulations. They feel that if the public is busy, fighting with one another, they can enjoy the luxuries and comforts of state power. The rulers want the people to fight among themselves, over moon sighting and availability of food items and thus are not free enough to observe and question them. May Allah (SWT) have Mercy upon us!

Whatever we are doing and the direction in which we are heading is not good; we are heading towards chaos and civil war. We must try to understand this situation sensibly and seek forgiveness from Allah (SWT), as civil wars are a punishment from Allah (SWT).

May Allah (SWT) have mercy upon us and grant us the capacity to turn to goodness. Things will change for the better, only when we will consider the pain of fellow beings, as our own. Caring for oneself only is a trait of the animals whereas the word 'Insaan' (human) stems from ' Ins' meaning affection. The humans can enjoy this exalted status of mankind only if they maintain affection, among themselves.

دعائے مغفرت

1۔ فتح پور، ضلع لیہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد راشد کے بیٹے محمد معاذ

2۔ فتح پور، ضلع لیہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد ارشد کے بیٹے محمد سبحان

3۔ فتح پور، ضلع لیہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد ارشد اور محمد راشد کی والدہ محترمہ

4۔ لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حافظ منظور۔

5۔ لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی فیروز۔

6۔ خوشاب، جوڑاں کلاں سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ماسٹر امام بخش کے والد محترم

7۔ گوجرہ، ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ملک محمد ارشد

8۔ چک نمبر 179 مراد، حاصل پور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی طاہر مجید کی والدہ محترمہ۔

9۔ چک نمبر 179 مراد، حاصل پور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی بشیر احمد ۔

10۔ چک نمبر 179 مراد، حاصل پور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی عبدالحمید

11۔ راولپنڈی سے سلسلہ عالیہ کے صاحب مجاز حیدر زمان صاحب کی دختر نیک اختر۔

to facilitate mankind in this regard.

This is a matter of great concern that now politics is transgressing to dominate the institution of worship, as well. Realistically speaking we don't have politics in our country, we have extortion. Anyone who can gather a few scoundrels and can have his way is known as a politician and the one who has no scoundrels associated with him cannot do politics, in our country. All the political parties follow the same pattern and style; as they all either buy people or force people to serve their purpose. There is no third option for them to follow. We were under the British rule for over a century, but they never interfered in the matters of worship, of the Muslims. They never tried for any alteration in the Obligatory, Sunnah or Wajib aspects of worship and the Muslims practiced and observed these, freely. What kind of an Islamic government do we have now? In fact, it is not an Islamic government rather a government of the Muslims, but they should refrain from interfering in the matters, pertaining to worship. This is a matter which worth's deliberation; we should realize that where we are heading to and what will be the consequences? Worships are to attain Allah (SWT)'s Nearness and if these, too, are compromised over petty gains then there is no hope of salvation. May Allah (SWT) have Mercy on us but this is a grave transgression, on our part.The demand that Eid be celebrated on the same day all over the world is impossible to achieve as the timings are not the same, all over the world. Some are ahead by a few hours while others are few hours behind. For instance when it is 10 am in Pakistan, it is 10 pm somewhere in America. How can we celebrate Eid, simultaneously, across the globe? The call for prayers, "Azaan" is being repeated every second, over the entire world and there is not a moment, in time, when it is discontinued, somewhere in the world. Therefore, Eid cannot be celebrated, at one time, all over the world.

If all the Islamic states wish to devise a correct system of moon-sighting they should divide the globe into time zones according to the latitude and longitude segments in which the moon will be visible. Towards South and North the longitudes curve inwards; for instance n Kabul and areas adjacent to Kabul the moon is sighted when sighted in Saudi Arabia. This means that Kabul and its surrounding areas fall in the same time zone as Saudi Arabia, based on its longitudinal position. When the authority receives a witness about moon sighting then it should be seen as to which time zone he is coming from and what its span is. It should be evaluated that how far will it be applicable. Thus the entire world should be divided into zones indicating that if the moon is sighted in that zone it will be considered as seen for the areas falling within that zone. However, in the adjacent zones the moon will be sighted on the following day.

However since upholding the truth, listening and speaking truth and practically doing the right things can only be done by those who are sincere with Allah (SWT), Islam and the nation. Unfortunately people at the helm of affairs do not care whether the public misses out on fasting or worshipping; they only watch their own interests. A minister in the Northern Provincial cabinet remarked that we can only be Muslims if we follow the timetable of Mecca and Medina in our life. When they celebrate Eid there we should also celebrate Eid here. A point worth pondering here is that is Eid the only event in Saudi Arabia? Islamic laws are also implemented there so why don't you consider implementing those laws here, for becoming Muslims?

If you celebrate Eid with the Arabs then offer Eid prayers with them also; but in Arabia it will be offered, after two hours. Do not stop at this but try to offer salat with them, five times daily. But how will this happen? When it is Fajar time in Arabia, it is Ishraq time in Pakistan. When it is Maghreb

THE LEGAL STATUS OF MOON SIGHTING

Beyan 20-9-2009

Translated Speech of
Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

Prophet (SAWS) said: لَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوا حَتَّى تَرَوْهُ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ... (Bukhari, Muslim). *When you see the crescent (of the month of Ramadan), start fasting and when you see the crescent (of the month of Shawaal), stop fasting.*

A believer's entire life is governed by Islam. To day, unfortunately it has become difficult to differentiate between politics and extortion and political decisions, usually, supersede in religious matters. Political people, in order to gain some nuisance values and political goals, have made the moon sighting, a controversy. They are concocting strange formulas, in this respect, in direct violation of Prophet (SAWS)'s directives. One of these suggestions is to celebrate Eid, across the globe, on the same day. This is practically impossible because the Prophet (SAWS), has clearly ordered to commence Ramadan (fasting) upon sighting of the moon and to conclude Ramadan upon sighting of the Shawaal moon. The moon cannot be seen at the same time, everywhere, as the time varies across the globe. Somewhere it is dawn while it is Asr prayers time at another place. Similarly it may be sunset (maghrib) at another place while some parts of the world have Isha prayers time. With the movement of the earth around the sun, the timings keep on changing while the moon's movement causes its sighting to vary, at different places.

In Saudi Arabia, the Hijrah Calendar, based on lunar months is officially followed and they calculate the path and movements of the moon, with computers, and publish a calendar for the whole year. The published calendar is followed throughout the year, however, the moon sighting is also observed, at an official level. The commencement of Ramadan, Eid and Hajj, for example, is announced upon moon sighting. This practice of moon sighting is observed, every month. Once, I was in Saudi Arabia and the official calendar showed that the month would have twenty nine (29) days but the moon could not be seen, so it was announced that the month be considered as of thirty (30) days. Although, this happens very rarely and usually their calculations are accurate yet they observe the moon sighting religiously, every month.

They follow the Prophet (SAWS)'s instructions in this respect, very strictly.

Islam is a natural code of life, for all human beings and for all times to come. Its rules and regulations are equally and easily applicable, whether they live in urban areas or rural and remote areas. In the urban areas, the telescopes and computers are employed to calculate time but the man in the rural areas, avails the simple natural means of the sighting of the moon. As the rising and setting of the sun provides the criterion for offering prayers and the time of fasting, the sighting of the moon is the criterion for Hajj, Ramadan and Eid. The moon provides an average person a chance to see it and know when the month begins or ends. This is a divine system, programmed

His creation as enjoined by Him) as the capital; supplemental acts as the dividend, and *Zikr-e Khaffi* as the most superior of all types of *zikr*. This is in conformity with the teachings of the Book and Hadith, the purification of the heart which guarantees real success is obtained through it.

Lo! Those who ward off (evil), when glamour from the devil troubles them, they do but remember ALLAH and behold them seers! (7:201)

This means that when the pious are disturbed by the sneaking whispers of the devil, who tries to induce heedlessness into their hearts, they engage themselves immediately in *zikr* and remember ALLAH. He removes the devil's influence from their hearts, which resume observation of the Reality.

Notes:

- It shows that *zikr* is contingent upon piety which, in fact, is its door. *Zikr* leads to *kashf* which is the gateway to the supreme triumph—His gnosis. The devil incessantly plays his tricks which have no effect on His slaves, unlike those overpowered by lustful desires. Declares ALLAH:

  ...surely the devil's strategy is ever weak and insignificant. (4:76)

- The devil's guile vanishes instantly with *zikr* and he has no power over Divine bondsmen.

  Surely, as for My slaves, you (devil) have no power over them... (15:42)

Yet, inversely, the devil does control the reins of his (lustful) friends:

His power is only over those who make a friend of him. (16:100)

- When the devil takes (firm) hold of a person, *zikr* pales into insignificance. Consequently carnal desires get the better of him as illustrated in the *Qurãn*:

  The devil has engrossed them and so has caused them to forget zikr. They are indeed the devil's party. Truly, it is only the devil's party who will be the losers... (58:19)

CHAPTER-XIV

HALQAH-E ZIKR (Collective Zikr)

In the previous chapter, it has been discussed that *zikr* is absolute, by way of quantum and manner. For this reason learned *sûfis*, keeping in view necessity, suitability, and propriety, adopted the form they considered most effective. In some cases they prescribed *zikr* individually and in others collectively. But some ignorant-folk brand the collective form, the *Halqah*, a heresy. This is not only a serious error, in the light of the principle explained above, but a heresy by itself.

Proof of Collective *Zikr*

> *(O Muhammad[S.A.W.]), restrain yourself along with those who cry to their Rabb at morn and eve seeking His Countenance only...* (18:28)

The Arabic text expression *m'a alla zina* (along with those) occurring in the above verse, proves the collective form of *zikr* and *Halqah-e Zikr*. It also proves the superiority of this form, as the Prophet[S.A.W.] was commanded to restrain himself with those so engaged in *zikr*.

Corroboration by Hadith

Abu Hurai'rah quotes the Propheft[S.A.W]:

> "Groups of Angels keep looking for persons engaged in *zikr*. Whenever they find such a group, they summon their companions, rejoice over their discovery and cover it with their wings, right up to Heaven. (When the Angels return to their Rabb to describe the scene) they are commanded to bear witness to His forgiveness announced for every one in that gathering. One of them submits that a certain person was present only by chance and not for the purpose of *zikr*. ALLAH says, "This is (such an august) assembly that none present in it shall be deprived of My forgiveness." (***al-Bukhari***, vol: 2, p: 948)

the state of secrecy; for *Zikr-e Kaffi* is closest to sincerity and humility. (***Tafsir-e Kabir*** (Glossary), vol: IV, p: 504)

Note: *Zikr-e Khaffi* guards a beginner against dissimulation and enables an accomplished seeker to attain complete freedom from non-Divine love and to eternalise in Him. This is supported by Hadith: Whoever knows ALLAH assumes silence.

According to Tafsir Abi S'aud:

As sincerity is predominant in *Zikr-e Khaffi*, it is nearest to Divine acceptance (***Tafsir-e Kabir***, vol: IV, p: 504)

Notes:

- Divine acceptance of any worship is related to the degree of sincerity attending it; *Zikr-e Khaffi* is the highest in this respect.
- The very object of worship is His acceptance and *Zikr-e Khaffi* is most likely to achieve it. For this very reason a vast majority of veteran *sûfis* have adopted it. Some *Sûfi* Orders adopt *Zikr-e Jahar* i.e. spoken loudly, for the beginner, but ultimately lead him to *Zikr-e Khaffi*.

In fine, a number of *Qurãnic* verses relate to *zikr*; some emphasising frequency, and others urging *zikr* of His personal name (ALLAH). Yet others imply *Zikr-e Khaffi*, the only form which ensures plenitude and perpetuity. The most comprehensive verse in this context is:

And do you (O Muhammad[S.A.W.]) remember your Rabb within yourself, humbly and with awe, below your breath, at morn and evening. And do not be of the neglectful. (7: 205)

Maulana Muhammad Yusuf Bannori explains this verse in his *Nafkhat al-Amber min Hadith Ash-Sheikh-Anwar*, (p: 135):

Sheikh Anwar Shah Kashmiri said,

"We confine ourselves strictly to the meaning of this verse. It pertains to *zikr* and not to *Salah*; though the latter is also a form of *zikr*. It implies *Zikr-e Qalbi* whereas *Salah* is *Zikr-e Lisani* (lingual *Zikr*). That is why the condition of humility and awe has been added here; awe is the act of the human heart." Another verse in the *Qurãn* clarifies this point thus:

They are (the believers) whose hearts feel fear when ALLAH is mentioned... (8: 2)

According to Hadith in at-Tirmizi, under the caption, 'Features of the Gates of Hell', ALLAH shall command: "Take out of the Hell Fire even the one who remembered Me for a day or who feared My reckoning."

This discussion establishes the following points:

- *Zikr* here means *Zikr-e Qalbi*.
- *Zikr-e Qalbi* is superior to *Zikr-e Lisani*.
- *Zikr* leads to deliverance from Hell.
- *Zikr* is ordained morn and eve.
- The defaulter is regarded by ALLAH as neglectful.

In our Order, the *Naqshbandiah Owaisiah*, sincere efforts are made to act upon this verse, in toto, and follow it in letter and spirit under all circumstances.

Superiority of *Zikr-e Khaffi* in Hadith

States Abu Saeed Khudri, a renowned Companion, that he heard the Prophet[S.A.W.] saying, "The best *zikr* is *Zikr-e Khaffi*." (***at-Targhib***, vol: IV, p: 160)

States Sa'ad bin Abi Waqqas that he heard the Prophet[S.A.W.] saying, "The best *zikr* is *Zikr-e Khaffi*." (***at-Targhib***, vol: II, p: 537)

Though absolute *zikr* is enjoined yet we have drawn only on the one in vogue, inherited from the righteous of the past and the veteran *sûfis*, the superiority of which is amply expounded by the *Qurãn* and Hadith. Fully conscious of the order of precedence, we consider all obligations (towards Him or

ZIKR

Translation of "Dalail us Suluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan (RAU)

CHAPTER-XIII

Rather *zikr* is enjoined under all circumstances, i.e. sitting, standing, reclining, day or night, by word of mouth or within the heart, on land or in the sea, static or in motion, in prosperity or adversity, in sickness or health, irrespective of the state (e.g. eating or drinking, chaste or polluted, selling or buying, asleep or awake). (***Tafsir Ibn-e Kathir***, vol: III, p: 495)

Types of *Zikr*

There are three types of *zikr*:

a) Oral, loudly;
b) Oral, silently;
c) Spiritual, within the heart, i.e. *Zikr-e Qalbi.*

The first type, according to the consensus of the *Ulama*, is an heresy except where absolutely necessary; for example, the *Azan* (call for prayer), the *Tak'bir* (pronouncement heralding the commencement of *Salah*), formal sermon as in Friday and *Salat-e Eid* congregations, etc. (***Tafsir-e Mazhari***, vol: III, p: 410)

***Zikr-e Qalbi's* Superiority**

The third type is *Zikr-e Qalbi*. This is the type which has nothing to do with the words by the mouth, and as such, cannot even be discerned by the *Kiram an-Katibin*. Imam Abu Y'ala narrates, quoting Hadhrat A'ishah (a scholar of deep understanding), that the Prophet[S.A.W.] once said:

Zikr-e Khaffi which cannot be discerned by the *Kiram an-Katibin* is seventy times superior to other types. On the Day of Judgement, mankind will be called to reckoning by Him and the *Kiram an-Katibin* directed to produce the Register of Conduct of everybody. The Angels will be commanded to re-examine the records to see if any of their good deeds remained unrecorded. They would submit that everything within their reach has been duly put down. ALLAH shall inform them that a good deed which they could not discern and hence, were unable to record was *Zikr-e Qalbi*. I, the narrator, assert that *Zikr-e Qalbi* neither snaps, nor is liable to any interruption. (***Tafsir-e Mazhari***, vol: III, p: 41)

Superiority of *Zikr-e Khaffi* in the *Quran*

And do then (O Muhammad[S.A.W.]) remember your Rabb within yourself, humbly and with awe... (7: 205)

When he cried to his Rabb, a cry in secret. (19: 3)

In this verse, ALLAH remembered one of His friends and appreciated his act of crying to Him in secret (*Zikr-e Khaffi*). Imam Razi writes in the explanation of this verse that ALLAH sent this command to Prophet[S.A.W.] closely followed by the command to preach what was revealed to him:

That you (O Muhammad[S.A.W.]) remember your Rabb within yourself.... The advantage is that one benefits fully only when *zikr* attains

MONTHLY
Al-Murshid

APRIL 2017
Rajab-ul-Murajjab 1438H

الله
رسول
محمد

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ يَقُولُ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ
أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ قَالَ أَنْ تَمُوتَ وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِ اللهِ
عَزَّوَجَلَّ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، رقم الحدیث: 513)

Narrated by Hazrat Ma'az bin Jabal (RAU); I asked the Messenger of Allah (SAWS) that which of the deeds, is the most appreciated one, in the Court of Exalted Allah (SWT). The Messenger of Allah (SAWS) replied "It is that you depart from this world in such a way that your tongue is moist with Allah's Zikr."

Siddiqa Fatima Zahra Mosque, Kuwait

Carrying out the matters of the world is indeed important, but then these should be executed in such a way as commanded by Allah (SWT) **(Page No. 14)** Al-Sheikh Hazrat Mulana Ameer Muhammad Akram Awan (MZA)

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
7-AWASIA SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWNSHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کرسکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔

1-مفسّر،مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو،وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7-پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کرسکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کرسکتے ہیں۔ 03235205255